چونکہ مولف کا مقصد محض حدیث کا درجہ اور مرتبہ ثابت کرنا ہے، اسلئے بلاشبہہ وہ اسمین کامیاب ہوئے ہین، اور ہم اس مفید علمی خدمت پر انکو مبارکباد دیتے ہین، رسالہ کی قیمت ہے اور مذکورہ بالا پتہ سے مل سکتا ہے،

انجمن ترقی تعلیم کے وظائف، یہ انجمن ترقی تعلیم مسلمانانِ ہند امرتسر کی سالانہ رُوداد ہے، جسمین اُن طلبہ کی فہرست دیگئی ہے جو اُسکے وظائف سے تعلیم پارہے ہین اور جنکی موجودہ تعداد ۱۸۰ ہے، انجمن نے اپنی مختصر سی عمر مین نہایت خاموشی، سکون، اور استقلال کے ساتھ مسلمانون کی جو خدمت کی ہے اسکی نظیر سے تمام اسلامی مدارس اور انجمنین خالی ہین، اور یہ بلاشبہہ مولوی محمد عمر صاحب مرحوم سکریٹری اور ارکان انجمن کے جوش، خلوص، دیانت اور ایمانداری کا نتیجہ ہے، جس نے اس انجمن کو قابل تقلید بنادیا ہے، انجمن مذکور کے موجودہ سکریٹری جناب خواجہ مظہر حسین صاحب بی، اے وکیل نے اس روداد مین قلت سرمایہ کی شکایت کی ہے، اور انجمن کے مقاصد کے لحاظ سے پانچ لاکھ روپیہ کی اپیل شائع کی ہے،

انجمن حمایت اسلام کا ماہوار رسالہ: شعبان، رمضان، اور شوال کے یہ پرچے ہین جنمین انجمن کے موجودہ تغیرات اور انتظامات کے علاوہ مختلف مذہبی اور تعلیمی مضامین درج کئے گئے ہین جنمین سے ایک تاتاری مسلمان اور تعلیم عربی ہے جو جناب مولانا عبدالسلام ندوی کے قلم کا نتیجہ ہے، ایک پرچہ مین سیر سلیمان کے عنوان سے جناب مولانا سید سلیمان ندوی کا ایک خط نقل کیا ہے، جو انھون نے مولوی مسعود علی صاحب ندوی کے نام لکھا تھا اور جسمین وینس وغیرہ کے حالات ہین۔

مجلد ششم | ماہ ربیع الاول سنہ ۳۹ھ مطابق نومبر سنہ ۲۰ء | عدد پنجم

مضامین

مطبوعات جدیدہ

سیرۃ عائشہؓ، از مولانا سید سلیمان ندوی، اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کے احوال زندگی کی تفصیل، قرن اول کی خانہ جنگیون کے اصلی اسباب کی تشریح، ام المومنین کے فضائل و اخلاق کا بیان اور انکے علمی اجتہادات و کمالات پر تبصرہ، چھپکر تیار ہے ضخامت ۴۵۰ صفحات، قیمت درجہ اول (کاغذ و طبع اعلی) (۳) ہیے، درجہ دوم (۳) ہے، درجہ سوم (کاغذ دیسی سفید) عگار، منیجر۔

شذرات

عدم تعاون اور ترک موالات کے مسئلہ نے ہندوستان کے سطح تعلیمی مین جو زلزلہ پیدا کردیا ہے، اوس سے عربی مدارس بھی غیر متاثر نہ رہے، مدرسہ عالیہ کلکتہ، دار العلوم ندوۃ العلمار لکھنؤ، مدرسہ نور الہدی بانکی پور، مدرسہ دار العلوم مئو (اعظم گڈھ) دار العلوم اسلامیہ پشاور کے نام اس سلسلہ مین سننے مین آئے ہین، اگر ہم سے پوچھا جاے توان مدارس مین اگر یہ تحریک اسوقت عام نہ بھی ہوتی تو بھی مدرسۂ عالیہ کلکتہ کا توڑنا ہر حیثیت سے فرض تھا، یہ وہ مچھلی ہے جسنے بنگال کے تمام تعلیمی تالابون کو گندہ کر رکھا ہے، بنگال کے وسیع رقبہ مین ایک درسگاہ ایسی نہین جو مدرسہ عالیہ کے جال سے محفوظ ہو، اس وقت صوبۂ بنگال مین کم از کم ۲۵ ہزار طالب العلم عربی پڑھنے مین مشغول ہین اور سیکڑون مدرسے ہر طرف قائم ہین، لیکن یہ اسطرح مدرسۂ عالیہ کے نظم و نسق و ترتیب کی زنجیرون مین جکڑے ہوے ہین، کہ وہ گورنمنٹ کے دیگر صیغون اور محکمون کی طرح دست شل ہوکر رہ گئے ہین جن مین ہر طرح کی ترقی و تجدید و اصلاح نا ممکن ہے، اور وہ کسی حیثیت سے مسلمانون کی مذہبی و تعلیمی ضرورتون کو پورا نہین کر سکتے ہین، اور اونکا وجود اونکی جگہ پر دوسرے مدارس کے قیام کے لیے سد سکندری ہو گیا ہے، اس سلسلہ مین اگر بنگال کی عربی تعلیم کی اصلاح کا کام انجام پا جاے تو درحقیقت قوم کی ایک بڑی ضرورت رفع ہوجاے،

دار العلوم ندوۃ العلمار لکھنؤ کے ارکان انتظامی نے ڈیڑھ دن کے متصل و سرگرم مباحثہ کے بعد ۵۰۰ ماہوار کی سرکاری اعانت کا لینا بند کردیا، دار العلوم کیلئے یہ رقم اسقدر ناگزیر تھی کہ اسکے ہٹ جانیکے

بعد فوراً اسکی زندگی گویا معرض خطر مین آگئی ہے تقریباً ایکہزار ماہوار کا امین صرف ہے، سرکاری امداد کے انکار کے بعد صرف سرکار بھوپال کی ۲۵۰ روپیون کی ایک امداد اسکے پاس رہ گئی ہے، کسی اور قسم کا سرمایہ اوسکے پاس نہین، ہماری درخواست پر مدرسین کرام نے اپنی مقدس جماعت کے رتبہ کے مطابق بڑے ایثار کا ثبوت دیا، تاہم تین برس کے لیے کم از کم تیس ہزار روپے کی ضرورت ہے، کیا ہم قوم سے امید رکھین کہ وہ اوسکی جھولی کے بھرنے مین اپنے رتبہ کے مطابق ایثار کا ثبوت دیگی؟

ع خدا شرّے برانگیزد کہ خیر ما در و باشد، اس مصرع کی صحیح بیانی کی تصدیق موجودہ مسئلہ ترک موالات کے ضمن مین بھی ملے تو عجب نہین، سرکاری یونیورسٹیون سے قطع تعلق کے بعد قومی یونیورسٹیون کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، یہ یونیورسٹیان علی گڈھ اور احمد آباد مین قائم ہو رہی ہین، ان مین تعلیم کی زبان اُردو، ہندی اور گجراتی ہوگی، ہمارا مدت سے خیال ہے کہ کوئی زبان بغیر تعلیمی زبان بنے علمی اور عام زبان نہین بن سکتی، اگر قومی یونیورسٹیو نکا خواب سچا نکلا تو آپ تھوڑے ہی دنون مین دیکھ لینگے کہ آپ کی زبان ہر قسم کے لٹریچر سے کسقدر مالا مال ہو جاتی ہے،

بیسوین صدی کا پہلا سال تھا (سنہ ۱۹۰۱ء) کہ اُردو اور ہندی نے دو رقیب پہلوانون کی حیثیت سے سرکاری محکمون کے دنگل مین قدم رکھا، اس دنگل کے جگت استاد میکڈانل صاحب کی نیت جو کچھ ہو مگر اسمین شک نہین کہ اونکا پیچ دونون حریفون کو دست و گریبان کرنے مین تہانت کامیاب ہوا۔ اوسوقت سے اسوقت تک اُردو ہندی کے جھگڑون نے ہماری بزم ادب کو مکدر اور غمزدہ کر رکھا ہے، بیس برس کے بعد گجرات کی خاک سے ایک صلح جو اور مرنج و مرنجان

ہستی (گاندھی) نے ظہور کیا، جسنے اردو ہندی کے تمام جھگڑون اور نزاعون کو سنکر فیصلہ کیا کہ انکی حیثیت نزاع لفظی کے سوا اور کچھ نہین، اور اسلیے اونہنے ایک تیسری اصطلاح وضع کی یعنی ہندوستانی، گو اس اصطلاح کے اصل واضع انگریز ہین، تاہم یہ بدیسی چیز اگر دو قومون کے درمیان مصالحت کرا سکے تو سودیشی کے حامی اوسکو برا نہ جانینگے،

آجکل جب ایک متحدہ ہندوستان کی بنیاد ڈالی جارہی ہی، اور ہندوستانیون کی ایک متحدہ قومیت کی تعمیر کی فکرین ہورہی ہین ملک کے لیے ایک متحدہ زبان سے چارہ نہین، کسی قوم کے اتحاد کے صرف تین عناصر ہین، نسل، مذہب اور زبان، نسل کے لحاظ سے تو ہندوستان دنیا کی قومون کا مجموعہ ہے، اسلیے یہ اتحاد تو سرے سے مفقود، مذہب کا اتحاد بھی ناممکن ہے، لے دے کے صرف ایک زبان رہ گئی، اگر وہ بھی ایک نہو تو متحدہ قومیت کی دیوار کی اینٹین کس مسالہ سے پیوست ہونگی، اب کہ قومی تعلیم کا سوال درپیش ہے اس مدت کے الجھے ہوے مسئلہ کو بھی طے کر دینے کا موقع ہے،

ہم نے متعدد دفعہ انھین صفحات مین اس مسئلہ کا تذکرہ کیا ہی اور جب کبھی سمجھدار ہندو مسلمانونکے مجمع مین بولنے کا اتفاق ہوا ہے ادھر اُن کو توجہ دلائی ہے، کیمبرج کے ہندوستانی طلبہ کے مجمع مین جہان تمام ہندوستان کے صوبونکے نوجوان فرزند موجود تھے اس مسئلہ پر پُرزور تقریر کی، ۶، اکتوبر کو بمبئی کی نوجوان ہندوستانیون کی ہوم رول لیگ مین اسکی طرف توجہ دلائی کیونکہ اب نظر آتا ہے کہ اُردو ہندی کی کشمکش ہندوستان کی دونون قومون کے درمیان اجنبیت اور بیگانگی کی ایک دیوار کھینچ رہی ہے، ابھی ۱۰ نومبر کو مئو مین ایک جلسہ کی شرکت کا اتفاق ہوا جسمین ایک سوامی جی بھی جو گرو کل کے تعلیم یافتہ تھے مقرر کی حیثیت سے شریک تھے، ہم دونون

کی تقریرون کا موضوع بھی ایک ہی تھا، لیکن یہ کیا عجیب بات تھی کہ نہ وہ میری پوری تقریر سمجھ سکے اور نہ مین اونکی پوری بات سمجھ سکا، کیا حکومتِ ملکی یا سوراج کے حصول کے بعد ہمارے ایوان حکومت کے ارکان کا بھی یہی حال ہوگا،

اردو اور ہندی مین جو فرق ہے وہ درحقیقت نہایت معمولی ہی ہر زبان تین عنصرون سے مرکب ہوتی ہے، اسم، فعل اور حرف، اردو اور ہندی مین جسقدر افعال اور حروف ہین وہ تمامتر ایک ہین، جھگڑا صرف اسمار کا ہی، اگر عربی اور فارسی اسمار زیادہ ہین تو وہ اُردو ہی اور اگر سنسکرت اور بھاشا کی اسمار زیادہ ہین تو وہ ہندی ہے، اس مسئلہ مین دونون زبانون کے حامیون کے درمیان افراط و تفریط ہے، ہمارا خیال یہ ہی کہ اسوقت تک جو زبان ہندوستانی کے نام سے پشاور سے لیکر برما تک بولی جاتی ہے اور اوسمین جس حد تک عربی فارسی سنسکرت اور بھاشا کے اسمار اوسکے اندر آگئے ہین وہ مطلب کے ظاہر کرنے کے لیے کافی ہین اب نئے نئے اور موٹے موٹے عربی یا فارسی یا سنسکرت کے الفاظ بھر کر دو مختلف زبانین بنانا نامناسب ہی، آج سے بیس برس پہلے اب جسکو ہندی کہا جاتا ہی اوسکا وجود بھی نہ تھا، دیہاتون مین ہندو مسلمان جو زبان بولتے ہین وہ ایک دہقانی زبان ہے جو ہر ملک کے دیہاتون مین پائی جاتی ہے لیکن وہ کہین دفتری یا علمی زبان نہین بنائی گئی،

یورپ مین سوٹزرلینڈ کی بالکل یہی کیفیت ہے، اس پہاڑی ملک مین جرمن، فرنچ اور اٹالین تین قومین آباد ہین، اور ہر قوم اپنی زبان آپ بولتی ہے، اور اپنی آبادی مین اوسکی تعلیم، معاملات اور دفتر کی وہی زبان ہے لیکن کل ملک کی عمومی دفتری زبان بھی ایک ضرور ہے

اردو وہ فرینچ ہے اسی طریقہ سے اگر ہندوستان کی صوبہ دار زبانین اپنے اپنے صوبون مین بولی جائین تو کچھ ہرج نہین، بشرطیکہ ایک نہ ایک عمومی زبان بہی طے ہو جاے،

اردو مین عمومی زبان بننے کی مختلف ترجیحی دلیلین ہین، اول یہ کہ کم از کم ایک قوم یعنی مسلمانون کی یہ مشترکہ زبان ہے، لیکن ہندی کو یہ حیثیت حاصل نہین ہر، دوسرے یہ کہ علاٰ ہر صوبہ مین یا ہر اسٹیشن پر بیرونی ملک کے ہندوستان مین رہنے والون کے اندر بلکہ ہندوستان سے باہر بھی یہ بولی اور سمجھی جاتی ہی، اس سفر یورپ مین تو مجھے اردو کی جغرافی وسعت پر سخت تعجب آیا، ہندوستان سے باہر عدن کی تو یہ گویا زبان ثانی ہوگئی ہے، وہان بے تکلف یہ زبان بولی اور سمجھی جاتی ہر حضر موت کا ایک عرب لڑکا مجھے مصوع سے آتے جہاز پر ملا، وہ خاصی اُردو بولتا تھا مین نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ کبھی ہندوستان نہین گیا، عدن مین انگریزونکی نوکری اس نے کی ہر مصر مین پورٹ سعید کے تمام خلاصیون اور ملاحون کو دیکھا کہ وہ خاصی اُردو بولتے تھے، دریافت سے معلوم ہوا کہ انھون نے ہندوستان کی صورت بھی نہین دیکھی، مصوع کے افریقی سواحل پر بھی یہی منظر نظر آیا، یہ صرف ہندوستانی مسافرون کی آمد و رفت کا نتیجہ ہے، بصرہ خلیج فارس اور حجاز کی بھی یہی کیفیت سنی ہر، ادھر افغانستان تک اسکا اثر اور اقتدار معلوم ہوتا ہے، افغانستان کے اخبارات کی زبان تک سرا اردو کی بو آتی ہے، علاوہ ازین، انڈمان، پورٹ بلیر، جنوبی افریقہ، مارشس جہان جہان ہندوستانی پہونچے ہین ہندوستان کی یہ زبان جسکو خواہ اُردو کہو، ہندی کہو یا ہندوستانی پھیلتی چلی گئی ہر،

اخبارات سے یہ خبر معلوم ہو چکی ہوگی، کہ جناب مولنا مفتی محمد عبد اللہ صاحب ٹونکی نے

۷- نومبر سنہ ۱۹۲۰ء کو بعارضۂ فالج بھوپال مین انتقال کیا، مفتی صاحب مرحوم عربی درسگاہونکی قدیم تعلیم کے بہترین نمونہ تھے، ہندوستان کے مشاہیر علما مین اونکا شمار تھا، وہ ادب مین مولنا فیض الحسن صاحب اور دینیات مین مولنا احمد علی صاحب محدث کے شاگرد تھے، مولنا فیض الحسن صاحب کے انتقال کے بعد اورنٹیل کالج لاہور کی پروفیسری کی جگہ اونکو ملی، اور اونکی عمر کا بڑا حصہ اسی درسگاہ مین گذرا، اخیر زمانہ مین وہ دار العلوم ندوہ کے مدرس اعلے مقرر ہوے تھے اور اسکے بعد مدرسہ عالیہ کلکتہ کے صدر مدرس ہوے، اور یہین سے بیمار ہوکر اپنے صاحبزادہ جناب مفتی انوار الحق صاحب ایم اے ناظم و مشیر تعلیمات بھوپال کے پاس گئے تھے، جہان انھون نے وفات پائی، غالبًا وفات کے وقت مفتی صاحب مرحوم کی عمر ستر کے قریب ہوگی، تعلیمی خدمات کے علاوہ مفتی صاحب کا بڑا کارنامہ انجمن مستشار العلماء لاہور ہے، جو ایک قسم کا دار الافتاء ہے، مرحوم نے بعض عربی کی درسی کتابون پر حواشی بھی لکھے تھے، اونکی وفات سے علما کی صف مین ایک ایسی جگہ خالی ہے جس کے بھرنے کی اب آیندہ امید نہین،

بعض اہل علم اور سمجھدار ہندوستانیون نے جو کسی نہ کسی مقصد سے انگلستان مین اقامت پذیر ہین، مختلف اغراض سے چند انجمنین قائم کی ہین، ان مین ایک انجمن "دی یونین آف ایسٹ اینڈ ویسٹ" یعنی "اتحاد مشرق و مغرب" ہے، اس انجمن کا مقصد یہ ہی کہ مشرق و مغرب کو علم و فن، مصوری، فلسفہ، ادب، موسیقی اور ڈراما کے میدان مین ایک چبوترہ پر جمع کیا جاے، کے، این، داس گپتا اسکے سکرٹری ہین، سنہ ۱۹۱۹ء مین اسکے متعدد جلسے لندن کے مختلف ایوانون مین ہوے جن مین انگریز اور ہندوستانی مقررون نے مختلف مضامین پر تقریرین کین، ذیل مین ہم سال گذشتہ کے مقررین اور عنوانات تقریر کا نقشہ دیتے ہین،

ماه	مقررین	عنوان
جنوری	یوسف علی سابق ڈپٹی کمشنر (صوبہ متحدہ)	گلیپولی مین ایک ہندوستانی ہیرو
مارچ	ایم، ایچ، اصفہانی	اکبر
اپریل		حیات بعد الممات
مئی	ارنسٹ رہائس، کے، ٹی، پاول- ان ایم سومارتھ، ایڈمنڈ رسل، کینیتھ سونڈرس، ڈاکٹر پولن،	ہندوستان اور برطانیہ،
جون	ایڈمنڈ رسل	جہانی ارکان
جولائی	سر بیند رونا تھ بنرجی، سری نواس شاستری	موجودہ اور گذشتہ ہندوستان،
اکتوبر	سروجنی نائڈو	ہندوستان کا تخیل،

نامور مستشرق پروفیسر براؤن (کیمبرج) کی "تاریخ ادبیات ایران" کی تیسری جلد، جسکا مدت سے انتظار تھا، بالآخر شائع ہوگئی، کتاب کا پورا نام "ہسٹری آف پرشین لٹریچر انڈر ٹارٹار ڈومینین" ہے اور تقریبًا چھ سو صفحہ کی ضخامت کے ساتھ کیمبرج یونیورسٹی پریس سے بہ آب وتاب شائع ہوئی ہے، کاغذ وطباعت کی نفاست کے علاوہ متعدد تصاویر سے بھی کتاب کے حسن وزیبائش مین مدد لی گئی ہے، جنمین سعدی، حافظ، ابو اسحاق شیرازی کی تصاویر خاص طور پر قابل ذکر ہین، اس جلد کا رقبۂ موضوع ۱۲۶۵ء (۶۶۳ھ) سے ۱۵۰۲ء (۹۰۷ھ) تک وسیع ہے، طبقۂ شعراء وصوفیہ مین عراقی، حافظ، خواجو، سلمان ساوجی، امامی، مغربی، محمود شبستری، خواجہ عبید اللہ احرار، کمال خجندی، ابن یمین، خسرو وغیرہ تمام اکابر عصر کا تذکرہ آگیا ہے،

کتاب پر تفصیلی ریویو کا یہ موقع نہین، اسوقت صرف ایک ضمنی بات عرض کرنا ہے، آج سے آٹھ دس سال قبل جب شعر العجم کی ابتدائی جلدین شائع ہوئی تھین، اسوقت ہمارے ملک کے بعض خوش فہم "نقادان فن" نے مصنف کی محنت وکمال کی داد یہ دی تھی کہ شعر العجم کا سرمایۂ معلومات تمامتر براؤن صاحب کی لٹریری ہسٹری ہے، ان حضرات کو یہ معلوم کرکے یقینًا صدمہ ہوگا کہ پروفیسر موصوف نے اپنی اس جدید جلد کا ایک خاص ماخذ شعر العجم ہی کو بنایا ہے، ساری کتاب مین شعر العجم اور اسکے مصنف کا ذکر پندرہ بیس مرتبہ آیا ہے کیونکر، اور کس حیثیت سے؟ اسکا اندازہ اقتباسات ذیل سے ہوگا:-

جو اشخاص اردو سے واقفیت رکھتے ہین، اُنھین مین زمانہ حال کی ایک اعلیٰ ترین کتاب شعر العجم، مصنفہ شبلی نعمانی کی جانب توجہ دلاؤنگا، جوارخ (صفحہ ۱۰۸)

(سلمان ساوجی کے سوانح سے متعلق) علمائے ہند کی دو بہترین کتابون پر مین توجہ دلانا چاہتا ہون..... جنمین دوسری کتاب تقریبًا بیس فارسی شعراء کے کلام پر بیش بہا تبصرون کا مجموعہ ہے، موسومہ "شعر العجم" مولفہ شبلی نعمانی" (صفحہ ۲۶۱)

"حافظ کے متعلق بہترین وجامع ترین تبصرہ جو میری نظر سے گذرا ہے وہ وہ ہے جو شبلی نعمانی نے شعر العجم مین کیا ہے، جسکا حوالہ مین مکرر دیچکا ہون" (صفحہ ۲۷۳)

ان متفرق حوالون سے قطع نظر کرکے پروفیسر براؤن نے سلمان حافظ وخواجو کے سوانح وکلام پر جو کچھ لکھا ہے وہ تقریبًا لفظ بہ لفظ شعر العجم کی تلخیص ہے، اور مولانا مرحوم نے حافظ کا جو موازنہ سلمان وخواجو سے کیا تھا، اسکے ایک بڑے حصہ کو بعینہ نقل کردیا ہے بجز ان چیزون کو چُرا چھپا کر نہین لیا ہے، بلکہ قدم قدم پر شعر العجم ومصنف شعر العجم کے حوالے

دیئے ہین، فاضل موصوف کا جو خیال مولانا ے مرحوم کے متعلق ہے، اسکے اظہار کے لئے ہم
انکے ایک گرامی نامہ موسومۂ ایڈیٹر معارف سے چند فقرے اس مقام پر نقل کرتے ہین:۔

"بازمیگویم کہ ہرگاہ بتوانید کتاب مولوی شبلی نعمانی مرحوم را یعنی شعر العجم را یا بہ
فارسی یا بہ انگلیسی ترجمہ و چاپ بکنند، چہ قدر از برائے عموم فارسی خوانان خوب و بجا
می شد، چہ قدر افسوس میخورم کہ نصیبم نشد آن بزرگوار را ملاقات کنم قبل ازانکہ ازین
دار الفنا بدار البقا انتقال فرمایند۔"

تصریحات بالا سے معلوم ہوگا کہ جو لوگ شعر العجم کو لٹریری ہسٹری آف پرشیا کا "سرقہ"
قرار دیتے تھے، وہ وہی اشخاص ہوسکتے ہین جنکے دماغی دسترس سے یہ دونون کتابین بالاتر
ہین، ان حضرات کی تائید نہ براؤن کے لئے باعث فخر ہوسکتی ہے اور نہ شبلی کے لئے باعث
ننگ، اسکا بے شبہہ افسوس ہے کہ براؤن صاحب کو اسوقت تک شعر العجم کی صرف ابتدائی
دو جلدین دستیاب ہوسکی ہین، اگر بقیہ تین جلدین بھی اُنکے پیش نظر ہوتین تو یقیناً وہ بہت
زیادہ استفادہ کرتے،

ناظرین معارف اس خبر کو یقیناً نہایت مسرت سے سُنین گے کہ مولوی عبد الباری صاحب
ندوی مصنف "برکلے" نے جنکے مضامین و تصانیف سے وہ بخوبی روشناس ہوچکے ہین، یکم دسمبر سے
دار المصنفین مین مستقل قیام کرنے، اور اپنی دماغی فیاضیون سے اُسے مستفید کرتے رہنے کا فیصلہ کرلیا ہے
انکی قابلیت، انکی قوت تحریر اور سب سے بڑھکر انکی جامعیت (وہ علوم جدیدہ و قدیمہ دونون کے عالم ہین)
کے لحاظ سے سلک دار المصنفین مین اس جدید گوہر کے اضافہ کو بے شبہہ ایک خوش قسمتی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے،

مقالات

نظام اخلاق
یا
نظام محبت

(از مولانا عبد السلام ندوی)

لیکی نے اخلاق یورپ کی جو تاریخ لکھی ہے، اسمین ضمناً ایک موقع پر اسلام اور عیسائیت
کے اخلاقی اثر کا ان الفاظ مین موازنہ کیا ہے،

"لیکن مسیحیت کا خالی یہی کارنامہ نہ تہا کہ اس نے لوگون کو ڈرا دھمکا کر اور اُنکے ذاتی
و خود غرضانہ جذبات کو متاثر کرکے اُنکے اخلاق کو درست کیا، بلکہ اس سے بڑھکر اسکا کمال
یہ ہے کہ اس نے بالکل بے غرضانہ و خود فراموشانہ طور پر محض خالصاً للہ لوگون مین نیکی و
نیک چلنی کا جذبہ پیدا کردیا، اور یہ مسیح کی محبت کے ذریعہ سے، اشراقیہ کہتے تھے کہ خدا کا
تتبع کرو، رواقیہ کہتے تھے کہ شاہراہ عقل پر چلو، لیکن مسیحیت نے آکر کہا کہ مسیح سے محبت
رکھو، اور تمہارے اخلاق خود بخود درست ہوجائین گے، محبت کی یہ پہلی صدا تھی جو دعوت
اخلاق کے سلسلہ مین بلند ہوئی اور اسکا جو کچھ اثر ہوا وہ دنیا پر روشن ہے، اپیکٹیٹس
و متاخرین رواقیہ یہ کہنے لگے تھے کہ ایک بلند اخلاق شخص کو بطور اسوۂ حسنہ کے اپنے
سامنے رکھنا چاہیئے اور اسکی تقلید کرتے رہنا چاہیئے، لیکن تقلید و تتبع اور الفت و
محبت مین زمین و آسمان کا فرق ہے، یہ شرف مسیحیت کے لئے مخصوص تہا کہ اُس نے

دنیا مین سب سے اول بار لوگون کو محبت کے راستہ سے اخلاق کی تعلیم دی اور نسل انسانی
کے سامنے ایک ایسا بلند کیرکٹر، ایک ایسی دلفریب شخصیت پیش کی جو اپنی دلفریبی و
محبت سے ہر قوم، ہر ملک، ہر زمانہ کو متاثر کرتی رہی ہے، جو بہترین محرک اخلاق ہے،
جو انیس سو سال گذر جانے پر بھی بدستور قوی و موثر ہے اور جسکی عجیب و غریب قوت کا
اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ گو اسکی ساری زندگی کے صرف تین سالون کا علم ہے لیکن
اسکے اسی سہ سالہ زندگی کے کارنامے طبیعت پر وہ اثر ڈالتے ہین جنکا مقابلہ بڑے سے
بڑے واعظین کے مواعظ، اور بہتر سے بہتر حکماء کے مقولے نہین کرسکتے، حقیقت مین
مسیحی اخلاق کے چشمہ کا منبع یہی مسیح کی محبت رہی ہے، جو صدہا انقلابات پر بھی اب تک
جون کی تون ہے، اور گو آگے چل کر مسیحیون نے خود اپنے دین و ملت مین بیسیون رخنے
پیدا کئے، لیکن اپنے آقائے نامدار کی سیرت کی دلفریبی پر کبھی کوئی حرف نہ آنے دیا، محبتِ
کامل اپنے سامنے کسی استحقاق و دعوی کو نہین ٹہرنے دیتی، پس جو لوگ ایک مرتبہ مسیح کے
عشق و محبت مین سرشار ہو جاتے ہین وہ جو کچھ کرتے ہین انتہائی خلوص و ذوق سے کرتے
ہین جنمین نہ خوف کی آمیزش ہوتی ہے اور نہ صلہ و تحسین کی، سینٹ تہریسیا دعا مانگا کرتی
تھی کہ کاش ساری کائنات نابید ہو جائے اور اکیلی مین موجود رہون تاکہ آقا کی خدمتگذاری
کا فرض تنہا مجہی کو حاصل رہے، اور اسکی اس تمنا کی آواز بازگشت اس جیسی ہزارہا عاشقان
مسیح کی زبان سے آتی ہے، خود تعدیون کے زمانہ مین منتہائے شدائد پر تحمل و برداشت کی
قوت مسیحیون مین کس نے پیدا کر دی تھی؟ اسی عشق مسیح نے، زندہ زمین مین دفن کئے
جاتے تھے، جنگلی جانورون کے آگے چھوڑ دیئے جاتے تھے، زخم پر زخم کہاتے تھے،
دوسرون کو انکی حالت پر ترس آجاتا تھا، لیکن وہ خود خوش و خرم تھے، کہ مسیح کے نام پر

یہ زخم کہائے جا رہے ہین، موت آتی تھی اور وہ اسکا مسرت سے استقبال کرتے تھے کہ
گویا دولہا اپنی نئی دلہن کو آغوش مین لے رہا ہے، یہ کیون؟ محض اسلئے کہ موت سے
اُنہین اپنے معشوق کا وصل نصیب ہوگا، سینٹ فیلیٹیین زندان عقوبت مین اسیر تھی
کہ وضع حمل کا وقت آگیا، ایسی حالت مین اُسے جیسی کچھ تکلیف ہوئی ہوگی ناظرین اندازہ
کرسکتے ہین، اس حالت مین بے اختیار ایک چیخ اسکے منہ سے نکل گئی، ایک تماشائی نے
ترس کہا کر کہا کہ ابھی اسقدر بیچین ہو رہی ہو ذرا دیر مین درندون کے سامنے ڈالدی
جاؤ گی، وہ تکلیف کیسے برداشت کرو گی؟ اسپر اس نے پورے اطمینان سے جواب دیا کہ
"نہین، اسوقت مجھے تکلیف نہین ہوگی، وہ تکلیف مین جسکے لئے برداشت کرونگی درحقیقت
خود وہی اسے برداشت کریگا"، اسی طرح جب سنٹ میلینا کا شوہر اور دونون لڑکے دفن
ہو چکے اور دنیا مین اسکا کوئی والی و وارث باقی نہین رہا تو وہ اُنکی قبرون پر جاکر بیٹھی اور
کہا کہ "الٰہی تیرا شکر ہے کہ تو نے ان بکھیڑون سے مجھے نجات دی، مین اب پوری یکسوئی
کے ساتھ تیری خدمتگذاری کرسکونگی"، جو لوگ اس واقعیت سے بیخبر ہین کہ جذبات کی
قوت و تندی کے مقابلہ مین اکثر محض قوت فرض شناسی کیونکر بیکار جاتی ہے، جو لوگ
اس رمز سے آگاہ ہین کہ اسلام باوجود اپنی خالص توحید اور اعلی نظام اخلاق کے
محض اس باعث کہ اسکے متبعین کے سامنے کوئی اعلی نمونہ نہین تھا، شرافت و محبت کے
لطیف ترین جذبات سے کس طرح معرّٰی رہا ہے، اور جن لوگون کے پیش نظر مسیحی تاریخ کے
اوراق ہین جنکی ہر ہر سطر مین مسیحیت مسیح کے کرشمے نظر آرہے ہین وہ سینٹ اگسٹائن کے
اس فقرہ کی اہمیت و لطف کا پوری طرح اندازہ کرسکتے ہین کہ مسیحی اخلاق فلسفۂ اخلاق نہین
بلکہ ایک نظام محبت ہے"[1]

([1] تاریخ اخلاق یورپ جلد دوم صفحہ ۱۰۷، ۱۰۶، ۵)

لیکی نے پرستاران مسیح کی والہانہ وارفتگی اور خود فراموشانہ جوش محبت کے متعلق جو موثر واقعات نقل کئے ہین نہ اُن کا انکار کیا جاسکتا، اور نہ اُنکے انکار کی ضرورت ہے، البتہ ہم لیکی اس ریمارک کو کہ

"اسلام باوجود اپنی خالص توحید اور اعلیٰ نظام اخلاق کے محض اس باعث کہ اسکے متبعین کے سامنے کوئی اعلیٰ نمونہ نہین تھا، شرافت و محبت کے لطیف ترین جذبات سے کس طرح معری رہا ہے؟"

کسی طرح نہین تسلیم کرسکتے، اسلام نے حسب اعتراف لیکی جو "اعلیٰ نظام اخلاق" قائم کیا، اسکے معنی اس سے زیادہ نہ تھے کہ اس نے ایک نہایت بلند شخصیت مسلمانون کے پیش نظر کردی،

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر وذکر اللہ کثیرا	تمہارے رسول اللہ کی ذات مین بہترین نمونۂ عمل موجود ہی لیکن یہ نمونہ صرف ان لوگون کے لئے ہے جو ذات خداوندی اور روز قیامت کی توقع رکھتے ہین اور خدا کو بہت یاد کرتے ہین،

اور مسلمانون نے عبادات، معاملات، اخلاق و عادات، غرض عملی زندگی کے ایک ایک جزئیات مین اسی کو اپنی تمام حرکات ارادیہ کا محور قرار دیا، چنانچہ قرون اولیٰ کے مسلمانون کی زندگی مین اس قسم کے واقعات بکثرت مل سکتے ہین، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انہون نے قدم قدم پر اسی اسوۂ حسنہ کی تقلید کی، ایکبار حضرت عبداللہ بن عمرؓ سفر مین تھے دیکھا کہ کچھ لوگ نفل پڑھ رہے ہین، رفیق سفر سے بولے کہ اگر مجھے نفل پڑھنا ہوتا تو مین نماز ہی پوری نہ پڑھتا، مین نے رسول اللہ صلعم کے ساتھ سفر کیا ہے، آپ نے دو رکعت سے زیادہ کبھی نہین پڑھی، حضرت ابوبکر اور عمرؓ کے ساتھ سفر کیا، انھون نے دو رکعت سے زیادہ کبھی نہین پڑھی، اور

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ، [1]	تمہارے لئے رسول اللہ ہی کی ذات مین تقلید کیلئے بہترین مثال ہے،

ایکبار حضرت سعید بن یسار حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ سفر مین تھے، ایک موقع پر اونٹ سے اُتر کر پیچھے ٹھہر گئے، فرمایا تم پیچھے کیون رہ گئے؟ بولے وتر پڑھنا تھا، فرمایا، کیا تمہارے لئے رسول اللہ صلعم کی ذات مین اسوۂ حسنہ نہین ہے؟ آپ اونٹ ہی پر وتر ادا فرماتے تھے، [2]

اسی اسوۂ حسنہ کی پیروی کا نام شریعت کی اصطلاح مین اتباع سنت ہے اور صحابہ کرام نے جس شدت کے ساتھ رسول اللہ صلعم کی سنت کا اتباع کیا ہے، اسکی نظیر سے دنیا کے تمام مذاہب کی تاریخ خالی ہے، سخت سے سخت خطرے سامنے ہوتے تھے، لیکن اسی اسوۂ حسنہ کی پیروی صحابۂ کرام کو مذہبی اعمال و فرائض کے ادا کرنیکی ہمت دلاتی تھی، جس زمانہ مین حجاج اور عبداللہ بن زبیرؓ کے درمیان جنگ شروع ہوئی وہ حج کا زمانہ تھا، اور خود خانہ کعبہ محاصرہ مین آگیا تھا، لیکن بااین ہمہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس حالت مین سفر حج کرنا چاہا صاحبزادون نے روکا تو بولے کہ "ہمارے سامنے رسول اللہ صلعم کا نمونہ موجود ہے، آپ عمرہ ادا کرنے کے لئے چلے تو کفار نے روکدیا، آپ نے قربانی کرکے سرمنڈوالیا، [3] یعنی اگر راستہ مین رکاوٹ پیش آئی تو ہم بھی ایسا ہی کرینگے،

سنن عادیہ و اتفاقیہ کا اتباع اگرچہ ضروری نہین، تاہم صحابۂ کرام نے جوش عمل مین اسکا اتباع بھی کیا، چنانچہ حضرت ابو درداء جب کوئی بات کہتے تھے تو مسکرا دیتے تھے،

[1] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب التطوع فی السفر، [2] سنن ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فی الوتر علی الراحلۃ

[3] یہ حدیث بخاری کتاب الحج کے متعدد ابواب مین اجمالاً اور تفصیلاً مذکور ہے،

کسی نے کہا کہ اس عادت کو ترک کردیجیے، ورنہ لوگ آپکو احمق بنائینگے، بولے، مین نے رسول اللہ صلعم کو دیکھا ہے کہ جب کوئی بات کہتے تھے تو مسکرا دیتے تھے[1]، ایک صحابی آپکی خدمت مین بیعت کے لئے حاضر ہوے، دیکھا کہ آپکی قمیص کا تکمہ کہلا ہوا ہے، آپکی تقلید مین اُنھون نے بھی عمر بھر قمیص کا تکمہ کہلا رکہا[2]، لیکن یہ سب کچھ کسی جبر، ظلم، اور دباؤ کا نتیجہ نہ تہا، بلکہ ایک جذبۂ محبت کا اثر تہا جسکو خود رسول اللہ صلعم نے جزو ایمان قرار دیدیا تہا،

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اسوقت تک کسی شخص کا
لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من	ایمان مکمل نہین ہوسکتا جبتک مین اسکو اُسکے بیٹے
ولدہ و والدہ والناس اجمعین (مسلم)	اسکے باپ اور تمام لوگون سے محبوب تر نہون،

اور صحابہ کرام کی عملی زندگی مین یہ جزو ہر موقع پر نہایت نمایان رہا، لیکن پرستاران مسیح کے متعلق جو محبت آمیز واقعات نقل کئے ہین، اُن سے بہت زیادہ موثر، اُن سے بہت زیادہ اعلی اور اُنسے بہت زیادہ شاندار واقعات اسلام کی تاریخ مین مل سکتے ہین، اور اس کثرت سے مل سکتے ہین کہ اُنکے پیش نظر رکھہ لینے کے بعد عہد صحابہ کی تاریخ تاریخ نہین رہتی، بلکہ عشق و محبت کی ایک دلآویز داستان بنجاتی ہے، سیر الصحابہ مین ہم نے اس داستان کے ایک ایک حرف کو احادیث و سیر کے حوالہ سے ایک خاص باب مین جمع کردیا ہے، لیکن اس موقع پر صرف چند موثر واقعات کا نقل کردینا کافی ہوگا،

بی بی سبکو فطرۃً محبوب ہوتی ہے، لیکن خدا و رسول کی محبت مین صحابہ کرام نے ایسی محبوب چیز کو بھی قربان کردیا، ایک صحابی کی بیوی (ام ولد) رسول اللہ صلعم کو برا بہلا کہا کرتی تھی، اسکے ساتھ اُنکے تعلقات جس قسم کے تھے انکو خود انھون نے بیان کیا ہے،

[1] مسند ابن حنبل جلد ۵ صفحہ ۱۹۸، [2] ایضاً جلد ۵ صفحہ ۳۵،

لی منھا ابنان مثل اللؤلؤتین وکانت	اس سے میرے دو بچے موتی کی طرح تھے اور وہ
لی رفیقۃ،	میری ہمدم تھی،

لیکن ایکبار رات کو وہ آپکو برا بہلا کہہ رہی تھی، اُنھون نے سُن لیا، اور اُن تمام تعلقات کو بھول گئے، کلہاڑی اُٹھائی اور اُسکا پیٹ چاک کردیا، لڑکا گود سے اسکے سامنے گر پڑا، اور خون مین لتھڑ گیا[1]،

غزوۂ تبوک سخت گرمیون کے زمانہ مین واقع ہوا تہا، حضرت ابو خیثمہؓ ایک صحابی تھے جو اس غزوہ مین شریک نہو سکے تھے، ایکدن وہ گھر مین آئے تو دیکھا کہ بی بیون نے اُن کی آسائش کے لئے بہت کچھ سامان کیا ہے، بالاخانے پر چہڑکاؤ کیا ہے، پانی سرد کیا ہے، عمدہ کہانا تیار کیا ہے، گھر مین آے تو یہ تمام سامان عیش دیکھکر بولے کہ رسول اللہ صلعم تو اس لُو اور اس گرمی مین کُھلے ہوئے میدان مین ہون اور ابو خیثمہ، سایہ، سرد پانی، عمدہ غذا، اور خوبصورت عورتون کے ساتھ لطف اُٹھاے، خدا کی قسم یہ انصاف نہین ہے، مین ہرگز بالاخانہ پر نہ آؤنگا، چنانچہ اسیوقت زاد راہ لیا اور تبوک کی طرف روانہ ہوگئے[2]،

ایکبار حضرت عبد اللہ بن عباسؓ آپکے داہنے، اور حضرت خالد بن ولیدؓ بائین جانب بیٹھے ہوئے تھے، آپکا معمول تہا کہ ہر کام کی ابتدا، داہنی جانب سے فرماتے تھے، حضرت میمونہ دودھ کا پیالہ لائین، تو آپ نے پیکر حسب معمول حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے فرمایا کہ حق تو تمہارا ہے، لیکن اگر ایثار نفسی کرو تو خالد کو دیدو، بولے، مین آپکا جھوٹا کسیکو نہین دیسکتا[3]،

ایکبار ایک صحابی آپکی خدمت مین حاضر ہوے، آپ کہانا کہا رہے تھے، اُنکو بھی شریک

[1] ابوداؤد کتاب الحدود باب الحکم فیمن سب النبی صلعم [2] اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۲۹۱ تذکرہ مالک بن قیس،
[3] ترمذی ابواب الدعوات باب مایقول اذا اکل طعاما،

کرنا چاہا وہ روزے سے تھے، اسلئے انکو سخت افسوس ہوا کہ ہائے رسول اللہ کا کھانا نہین کھایا۔

ایک صحابی کی آنکھین جاتی رہین، لوگ عیادت کو آے تو انہون نے کہا کہ ان آنکھون کا مقصود تو صرف رسول اللہ صلعم کا دیدار تھا، لیکن جب آپکا وصال ہوگیا تو میری بینائی لوٹ بھی آے تو مجھے پسند نہین۔[۲]

حضرت ابوبکرؓ نے اپنا تمام مال خدا کی راہ مین دیدیا تھا، ایکبار آپ نے فرمایا کہ مجھکو جو نفع ابوبکر کے مال سے پہنچا وہ کسی کے مال سے نہین پہنچا، حضرت ابوبکرؓ یہ سن کر رو پڑے اور کہا کہ یارسول اللہ صلعم کیا مین اور میرا مال آپکے سوا اور کسی کا ہے؟[۳]

انصار کا معمول تھا کہ آنحضرت صلعم کی رضامندی کے بغیر اپنی لڑکیون کی شادی نہین کرتے تھے، ایکدن آپ نے ایک انصاری سے فرمایا کہ "تم اپنی لڑکی میرے حوالہ کردو" وہ تو منتظر ہی تھے باغ باغ ہوگئے، لیکن آپ نے فرمایا کہ مین اپنے لئے نہین بلکہ جلیبیبؓ کیلئے یہ پیغام دیتا ہون، جلیبیبؓ ایک ظریف الطبع صحابی تھے جو راستون مین بھی ظرافت اور مذاق کی باتین کیا کرتے تھے، اسلئے صحابہ انکو عموماً ناپسند کرتے تھے، اُنھون نے جلیبیبؓ کا نام سنا تو بولے کہ "اسکی مان سے مشورہ کرلون" مان نے انکا نام سنا تو انکار کیا لیکن لڑکی نے کہا کہ "رسول اللہ صلعم کی بات نامنظور نہین کیجا سکتی مجھے آپکے حوالہ کردو خدا مجھے ضائع نہ کریگا۔[۴]

ایکبار ایک صحابیہ نے آپکی دعوت کی، آپ نے کھانے کے بعد جس مشکیزہ سے پانی پیا اُسکو اُنھون نے محفوظ رکھا، جب کوئی شخص بیمار ہوتا یا برکت حاصل کرنے کا موقع آتا تو وہ اس سے پانی پیتی اور پلاتی تھین،[۵] جب آپ حضرت انسؓ کے گھر تشریف لاتے تھے

[۱] سنن ابن ماجہ کتاب الاطعمۃ باب عرض الطعام [۲] ادب المفرد باب العیادۃ من الرمد، [۳] سنن ابن ماجہ فضل ابی بکر الصدیق، [۴] مسند جلد ۴ صفحہ ۴۲۲ [۵] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ام بنار،

تو انکی والدہ آپ کے پسینے کو نچوڑ کر ایک شیشی مین بھر لیتی تھین، یہ شیشی حضرت انسؓ کے پاس محفوظ تھی، انھون نے جب انتقال کیا تو وصیت کی کہ آب حیات کے یہ قطرے انکے حنوط مین شامل کئے جائین،[۱]

غزوۂ خیبر مین آپ نے ایک صحابیہ کو خود دست مبارک سے ایک ہار پہنایا تھا وہ اسکو اسقدر متبرک سمجھتی تھین کہ عمر بھر گلے سے جدا نہ کیا اور جب انتقال کرنے لگین تو وصیت کی کہ انکے ساتھ وہ بھی دفن کردیا جائے،[۲]

ایک صحابی کے پاس آپکا ایک پیالہ تھا، حضرت عمرؓ انکے پاس آتے تھے تو اسی پیالہ مین پانی پیتے تھے، اور اسمین زمزم کا پانی بھر کر اپنے منھ پر چھڑکتے تھے،[۳]

آپ ہجرت کرکے مدینہ تشریف لاے تو حضرت ابوایوبؓ انصاری کے مکان مین قیام فرمایا، آپ نیچے کے حصہ مین اور انکے اہل وعیال اُوپر کے حصہ مین رہتے تھے، ایک رات حضرت ابوایوبؓ انصاری بیدار ہوے اور کہا کہ ہم اور رسول اللہ صلعم کے اوپر رہین! اس خیال سے تمام اہل وعیال کو ایک کونے مین کردیا اور صبح کو آپکی خدمت مین گذارش کی کہ آپ اُوپر قیام فرمائین، ارشاد ہوا کہ نیچے کا حصہ ہمارے لئے زیادہ موزون ہے بولے "جس چھت کے نیچے آپ ہون ہم اُسپر نہین چڑھ سکتے" مجبوراً آپکو بالاخانہ پر قیام کرنا پڑا،[۴]

متعدد صحابہ نے اپنے آپکو آپکی خدمتگذاری کے لئے وقف کردیا تھا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ کام تھا کہ جب آپ کہین تشریف لیجاتے تو وہ پہلے آپکو جوتیان پہناتے، پھر آگے آگے عصا لیکر چلتے، آپ مجلسون مین بیٹھنا چاہتے تو آپکے پاؤن سے جوتیان نکالتے پھر آپکے

[۱] بخاری کتاب الاستیذان باب من زار قوما فقال عندہم، [۲] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۳۸۰، [۳] اصابہ، [۴] مسلم کتاب الاشربہ باب اباحۃ اکل الثوم وانہ ینبغی لمن اراد خطاب الکبار ترکہ،

ہاتھ مین حصا دیتے، آپ اُٹھتے تو پھر اُسی طرح جوتیان پہناتے، اور حجرۂ مبارک تک پہنچا جاتے آپ نہاتے تو پردہ کرتے، آپ سوتے تو آپکو بیدار کرتے، آپ سفر مین جاتے تو آپکا بچھونا، مسواک، اور وضو کا پانی اُنکے ساتھ ہوتا، اسلئے وہ صاحب سواد رسول اللہ یعنی آپ کے میر سامان کہے جاتے تھے،[1]

حضرت ربیعہ اسلمیؓ شب و روز آپکی خدمت مین مصروف رہتے، جب آپ عشا کی نماز سے فارغ ہوکر کاشانۂ نبوت مین تشریف لیجاتے تو وہ دروازہ پر بیٹھ جاتے کہ مبادا آپکو کوئی ضرورت پیش آجائے، ایکبار آپ نے اُنکو تاہل اختیار کرنے کا مشورہ دیا، بولے یہ تعلق آپکی خدمتگذاری مین خلل انداز ہوگا جسکو مین پسند نہین کرتا،[2]

حضرت انس بن مالک کو بچپن ہی سے انکی والدہ نے آپکی خدمت کے لئے وقف کردیا تھا، حضرت سلمی ایک صحابیہ تھین، اُنھون نے اس استقلال کے ساتھ آپکی خدمت کی کہ انکو خادمۂ رسول اللہ کا لقب حاصل ہوا،[3]

سفینہ حضرت سلمہؓ کے والدہ کی لونڈی تھی، اُنھون نے اسکو اس شرط پر آزاد کرنا چاہا کہ وہ اپنی عمر آپکی خدمتگذاری مین صرف کرے، اُس نے کہا کہ اگر آپ یہ شرط نہ بھی کرتین تب بھی مین تا نفس واپسین آپکی خدمت سے علٰحدہ ہوتی۔[4]

صحابہ کرام کے اس جوش محبت اور حسن عقیدت کا اظہار سب سے زیادہ غزوات مین ہوتا تھا، غزوۂ بدر مین جب آپنے کفار کے مقابلہ کے لئے صحابۂ کرام کو طلب کیا تو حضرت مقدادؓ بولے کہ ہم وہ نہین ہین جو موسی کی قوم کی طرح کہدین،

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبد اللہ بن مسعود [2] مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۵۸ و ۵۹ [3] ابوداؤد کتاب الطب باب الحجامۃ، [4] ابوداؤد کتاب العتق باب فی العتق علی الشرط،

اذھب انت و ربک فقاتلا، تم اپنے خدا کے ساتھ جاؤ اور دونون مل کر لڑو

بلکہ ہم آپ کے داہنے سے، بائین سے، آگے سے، پیچھے سے لڑینگے، آپ نے یہ جان نثارانہ نقرے سُنے تو آپکا چہرۂ مبارک فرطِ مسرت سے چمک اُٹھا،[1]

صحابہ کے جان نثارانہ جذبات کا ظہور سب سے زیادہ غزوۂ احد مین ہوا حضرت مصعب بن عمیرؓ نے جو صورت شکل مین رسول اللہ صلعم سے مشابہ تھے، شہادت پائی تو عام غل مچگیا کہ خود رسول اللہ صلعم شہید ہوگئے، اس آواز سے تمام فوج مین بدحواسی پھیل گئی اور رسول اللہ صلعم کے ساتھ صرف نو صحابی جنمین سات انصاری اور دو مہاجر یعنی حضرت طلحہؓ اور حضرت سعدؓ تھے رہ گئے، کفار نے یہ حالت دیکھی تو دفعتہً آپ پر ٹوٹ پڑے، آپنے ان جان نثارون کی طرف خطاب کرکے فرمایا کہ ان اشقیا کو کون میرے پاس سے ہٹا سکتا ہے؟ ایک انصاری فوراً آگے بڑھے اور لڑکر آپ پر قربان ہوگئے، اسی طرح آپ بار بار پکارتے جاتے تھے اور ایک ایک انصاری بڑھکر آپ پر اپنی جان قربان کرتا جاتا تھا، جب ساتون بزرگ شہید ہوگئے[2] تو حضرت طلحہؓ اور حضرت سعدؓ کی جان نثاری کا وقت آیا، حضرت سعدؓ کے سامنے آپ نے خود اپنا ترکش بکھیر دیا اور فرمایا کہ تیر پھینکو، میرے باپ مان تم پر قربان! حضرت ابو طلحہؓ سپر لیکر آپکے سامنے کھڑے ہوگئے، اور تیر چلانے لگے، اور اس شدت سے تیر اندازی کی کہ دو تین کمانین ٹوٹ گئین، اگر آپ گردن اُٹھا کر کفار کی طرف دیکھتے تھے تو وہ کہتے تھے "میرے باپ، مان آپ پر قربان، یون گردن اُٹھا کر نہ دیکھئے، مبادا آپکو کوئی تیر نہ لگ جائے، میرا سینہ آپ کے سینہ کے سامنے ہے"[3] حضرت شماس بن عثمان کی جان نثاری کا یہ حال تھا کہ رسول اللہ صلعم داہنے بائین جسطرف نگاہ اُٹھا کر دیکھتے تھے اُنکی تلوار چمکتی ہوئی نظر آتی تھی، آپ پر غشی طاری

[1] بخاری کتاب المغازی باب قصۂ غزوۂ بدر [2] صحیح مسلم ذکر غزوۂ احد، [3] بخاری ذکر غزوۂ احد،

ہوئی تو انھون نے اپنے آپکو آپکی سپر بنالیا، یہانتک کہ اسی حالت مین شہید ہوئے۔[۱]

اسی غزوہ مین آپ نے ایک صحابی کو حضرت سعدؓ بن ربیع انصاری کی تلاش مین روانہ فرمایا، وہ لاشون کے درمیان اُنکو ڈھونڈہنے لگے، حضرت سعد بن ربیعؓ خود بولے کہ کیا کام ہے؟ جواب دیا کہ رسول اللہ نے مجھے تمہارے ہی پتہ لگانے کے لئے بھیجا ہی، بولے جاؤ آپکی خدمت مین میرا اسلام عرض کرد، اور کہو کہ مجھے بارہ زخم لگے ہین، اور اپنے قبیلہ مین اعلان کردو کہ اگر رسول اللہ صلعم شہید ہوگئے، اور ان مین کا ایک متنفس بھی زندہ رہا تو خدا کے نزدیک اُن کا کوئی عذر قابل سماعت نہوگا![۲]

صحابہ کرام کے اس جوش محبت، اس حسن عقیدت، اور اس جان نثاری کا منظر اسقدر موثر ہوتا تہا کہ خود کفار عرب بھی اس سے شدت کے ساتھ متاثر ہوتے تھے، صلح حدیبیہ کے متعلق عروہ نے آپ سے گفتگو کی تو عرب کے طریقے کے مطابق ریش مبارک کی طرف ہاتھہ بڑہانا چاہا، وہ جب جب ہاتھہ بڑہاتا تہا حضرت مغیرہؓ بن شعبہ تلوار کے اشارہ سے روک دیتے تھے، اس واقعہ سے عروہ کو اسطرف توجہ ہوئی اور اس نے صحابہ کے طرز عمل کو لغور دیکھنا شروع کیا اپر اسکا یہ اثر پڑا کہ پلٹا تو کفار سے بیان کیا کہ مین نے قیصر، کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہین، لیکن محمد کے اصحاب جسطرح محمدؐ کی تعظیم کرتے ہین، مین نے کسی بادشاہ کے رفقا مین وہ بات نہین پائی، اگر وہ تہوکتے ہین تو ان لوگون کے ہاتھہ مین اُن کا تہوک گرتا ہے، اور وہ اپنے جسم وچہرہ پر اسکو مل لیتے ہین، اگر وہ کوئی حکم دیتے ہین تو ہر شخص اُسکی تعمیل کے لئے مسابقت کرنا چاہتا ہے، اگر وہ وضو کرتے ہین تو وہ لوگ بچے کہچے پانی کے لئے باہم لڑ پڑتے ہین، اگر وہ بولتے ہین تو اُنکی آوازین پست ہوجاتی ہین، ادب سے انکی طرف آنکہہ بھر کے نہین دیکھتے،[۳]

[۱] ابن سعد تذکرہ حضرت شماس بن عثمانؓ [۲] موطاے امام مالک کتاب الجہاد باب الترغیب فی الجہاد [۳] بخاری کتاب الشروط

اب ان تمام واقعات کو پیش نظر رکہہ لینے کے بعد لیکی کے اس فقرہ کو پڑہو،

"کہ اسلام باوجود اپنی خالص توحید اور اعلیٰ نظام اخلاق کے محض اس باعث کہ اسکے متبعین کے سامنے کوئی اعلی عملی نمونہ نہین تہا، شرافت ومحبت کے لطیف ترین جذبات سے کس طرح معری رہا ہے"

تو تمکو صاف نظر آئیگا کہ وہ صداقت اور واقعیت سے کسقدر معریٰ ہے؟

لیکی کے نزدیک صرف وہی لوگ سینٹ اگسٹائن کے اس فقرے کی اہمیت ولطف کا پوری طرح اندازہ کرسکتے ہین کہ

"مسیحی اخلاق، فلسفہ اخلاق نہین بلکہ ایک نظام محبت ہے"۔

جن لوگون نے مسیحی تاریخ کے اوراق پراگندہ کو پیش نظر رکہا ہے، لیکن جنلوگون نے تاریخ اسلام کی شیرازہ بندی کی ہے، ان لوگون نے سب سے پہلے یہ لطف اُٹھالیا تہا اور وہ اس فقرہ کی اہمیت کا پورا اندازہ کرچکے تھے کہ

"اس رشتہ محبت کو سب سے زیادہ اسلام نے دراز کیا تہا"۔

خوش قسمت حافظ

اور

بد نصیب خیام

نے ایک ہی قسم کی نواسنجیان کین، لیکن آج حافظ کے ترانون سے دنیا اسطرح گونج رہی ہے کہ اس نقارہ خانہ مین خیام کی آواز بالکل طوطی کی آواز معلوم ہوتی ہے، رندون کی بزم عیش مین، صوفیون کی مجلس حال مین، اور شعرار کی بزم ادب مین غرض ہر جگہ حافظ ہی حافظ کی آواز سنائی دیتی ہے، اور اس غلغلہ انگیز صدا نے خیام کی آواز کو اسقدر دبا دیا ہے کہ اگر مخصوص اہل ذوق نے اسکی رباعیون کو نہایت بلند آہنگی سے ساتھ نہ سنایا ہوتا تو آج لوگ اسکو بھول گئے ہوتے،

موجودہ زمانہ مین یورپ نے اسکی رباعیون کی طرف جو جوش التفات ظاہر کیا ہے اس نے اگرچہ ایک حد تک اسکا کفارہ کردیا ہے، لیکن یورپ کے اس جوش التفات سے خیام کی گمنامی اور حافظ کی شہرت کا مسئلہ اور بھی زیادہ پیچیدہ و لاینحل ہوگیا ہے، ایک آواز جس نے یورپ کی منجمد اور برف آلود فضا مین تحلخل پیدا کردیا ہے، کئی صدی تک اسلامی تمدن کی فضا مین گونجتی رہی اور اسمین ذرہ برابر تموج نہین پیدا ہوا لیکن اُسکے دو ہی صدی کے بعد اسی قسم کی آواز شیراز کی فضا مین گونجی، اور دنیا کے گوشہ گوشہ سے اسکی صدائے بازگشت آنے لگی، آخر اس انقلاب کے کیا اسباب ہین؟ کیا خواجہ حافظ کے زمانہ مین دنیائے اسلام کی فضا زیادہ رقیق ہوگئی تھی، جس مین اُن کی آواز نے نہایت آسانی کے ساتھ تموج

پیدا کردیا؟ کیا اس زمانہ کا شیراز موجودہ زمانہ کا یورپ بنگیا تھا؟ یا یہ کہ خیام اور حافظ کے لب و لہجہ مین اختلاف تھا؟ لیکن ان سوالات کے جواب سے پہلے ہمکو اپیکورین فلاسفی کی حقیقت اور اُسکے نتائج پر تفصیل کے ساتھ بحث کرلینی چاہیئے، کیونکہ خیام اور حافظ دونون کی شاعری کا مواد اسی فلسفہ سے ماخوذ ہے، اسلئے ان سوالات کے جواب مین ہمکو اس سے مدد ملیگی،

اپیکورس نے فلسفیانہ مسائل پر غور و فکر شروع کی تو

قبل اسکے کہ وہ دنیا کی کسی چیز پر غور کرتا، اس نے خود اپنے نفس سے سوال کیا کہ اسکے علم و ادراک کا اصلی ماخذ کیا ہے؟ اس سوال کے بعد اسکو معلوم ہوا کہ علم و ادراک کا اصلی ماخذ شعور ہے، اور وہی مختلف حالات کے لحاظ سے لذت، خوشی اور غم وغیرہ کی شکل مین ظاہر ہوتا ہے، لیکن یہ تمام جذبات درحقیقت شعور ہی کی مختلف صورتین ہین جو مختلف رنگ مین رنگی گئی ہین، اِسلئے اپیکورس کا مذہب حسّی مذہب ہے جو صرف محسوسات اور مشاہدات کی بنیاد پر قائم ہے، اور موجودہ فلاسفہ مین لاک وغیرہ کا بھی یہی مذہب ہے،

لیکن الٰہیات کے متعلق اسکے جو عقاید ہین ان کا حال قابل اعتماد طریقے پر ہمکو معلوم نہین ہے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان مین سے کسی چیز کا قائل نہ تھا لیکن اسکے ساتھ اس سے یہ بھی منقول نہین ہے کہ اس نے علانیہ ان چیزون کا انکار کردیا تھا بلکہ یہ منقول ہے کہ وہ معبودون کا ذکر ادب و احترام سے کرتا تھا، لیکن یہ کہا جاتا ہے کہ وہ عوام کے خوش کرنے کے لئے ایسا کرتا تھا، زینون کے مقلدین نے اسکو ان حکماء مین شمار کیا ہے جو وجود باری کے منکر تھے، بعض فلاسفہ نے اسکے اس

دعویٰ پر تعجب کیا ہے، کہ روح انسانی ایک جوہر لطیف ہے اور وہ خصائص عالیہ
رکھتی ہے، اُس نے ایک مدت تک اس بدن مین قیام کیا اور اس سے کام لیا،
لیکن جب بدن بیکار ہوگیا تو وہ اس سے الگ ہوکر خود بھی گم ہوگئی،

اپیکورس سے چار اخلاقی اصول مروی ہین، جنکی بنا پر اسپر یہ تہمت لگائی گئی ہے
کہ وہ شہوت پرست تہا، اور وہ اصول یہ ہین،

(۱) وہ لذتین تلاش کرو جنکے بعد رنج نہو،

(۲) اس رنج سے بچو جو کوئی لذت نہ پیدا کرے،

(۳) اس لذت سے احتراز کرو جو تمکو اپنے سے بڑی لذت سے محروم کردے یا
اسکا انجام ایک ایسا رنج ہو جو اس لذت سے بڑا ہو،

(۴) اس رنج کو برداشت کرلو جو اپنے سے بڑے رنج سے نجات دے یا جسکے بعد
بڑی لذت حاصل ہو،

ان اصول کے علاوہ وہ اور چند عظیم الشان اصول کی تعلیم دیتا ہے، ان چارون
اصول کا مقصد صرف ایک فضیلت ہے یعنی اعتدال، لیکن وہ اس اعتدال کے
ساتھ اور تین اصول کی تعلیم دیتا تہا یعنی ہوشیاری، احتیاط، اور عدل،

اپیکورس نے لذات انسانی کی طرف اس شدت سے اسلئے توجہ مبذول کی کہ
اُس نے انسان کے حالات اسکے جسمانی، روحانی اور اخلاقی مقاصد سے بحث کی تو
معلوم ہوا کہ وہ فطرۃً جسمانی مقاصد کے بوجہ سے دبا ہوا ہے اور وہ فطرۃً اسپر مسلط ہوگئی ہین
اسلئے اُس نے اس بحث کو نظر انداز کرنا مناسب نہین سمجھا، اور اپنی تعلیم و تلقین کے
ذریعہ سے اسمین اعتدال پیدا کرنا اور اس تسلط کو کم کرنا چاہا، اس بنا پر لذت کو

اس نے ایک جائز چیز قرار دیا اور جب تک اعتدال ملحوظ رہے، اُس نے اپنے
مقلدین کو کسی لذت سے محروم کرنا پسند نہین کیا،

اُس نے مادی خواہشون کی متعدد قسمین کین، ایک وہ جو طبعی اور ضروری ہین
ایک وہ جو انسان پر شدت سے غالب آنیوالی ہین، مثلاً بہوک اور پیاس، انکے
علاوہ اور خواہشین بھی ہین جو اگرچہ طبعی کہی جاسکتی ہین، لیکن وہ زیادہ تر شہوانی ہین،
مثلاً مختلف قسم کی لذیذ غذائین، مختلف قسم کے حلوے، اور مختلف قسم کے شربت وغیرہ
انکے علاوہ اور خواہشین بھی ہین جو بالکل مصنوعی ہین، اور انکو ہمارے تمدن نے پیدا
کیا ہے، مثلاً شراب اور بہنگ وغیرہ، اب اپیکورس کے نزدیک اعتدال کی
حقیقت یہ ہے کہ انسان کی طبعی، ضروری اور سخت غالب آنیوالی خواہشین پوری
کیجائین، شہوانی خواہشون سے احتراز کیا جاے، اور مصنوعی اور عادی خواہشون کو
ہر ممکن طریقہ سے رد کیا جاے، پس فلسفہ سے اُسکا مقصد صرف یہ تہا کہ حواس پر حکومت
کیجائے، یہ نہین کہ حواس کے سامنے سر اطاعت خم کر دیا جائے[1]،

یہی فلسفہ ہے جسکو عام طور پر لذتیہ اور فلسفہ اخلاق کی اصطلاح مین افادیہ کا لقب
دیا گیا ہے، لیکن اسکے اخلاقی اثرات کے نمایان کرنے کے لئے سب سے پہلے اسکے حریف
ضمیریت کو پیش نظر رکہنا چاہیئے، ضمیریئین کے اخلاقی اصول کی بنیاد یہ ہے کہ ہم مین فطرۃً
ایک ایسی اندرونی بصیرت موجود ہے جو ہمین یہ سمجہاتی رہتی ہے، کہ بعض خصوصیات اخلاق
مثلاً فیاضی، عصمت، اور راستبازی وغیرہ دوسرے خصائص اخلاق کے مقابل مین بہتر
و قابل اختیار ہین، اور انکے اضداد لائق ترک ہین، اسے دوسرے الفاظ مین یون کہنا

[1] کنز العلوم واللغۃ صفحہ ۲۰، ۲۱،

چاہیئے کہ فرض کے احساس کے ساتھ اسکی تعمیل بھی بشر کی سرشت مین داخل ہے، یعنی فرض کی بجا آوری اسکے نتائج کے پسندیدہ و ناپسندیدہ ہونے سے قطعاً مستغنی ہے، اور شاہراہ فرض پر چلنے کے لئے ہمارے باطن و ضمیر کا یہ فتویٰ بالکل کافی ہے کہ وہ فرض ہے، لیکن جو لوگ افادیت کے قائل ہین وہ کسی اخلاقی حاسۂ باطنی کے وجود سے بالکل انکار کرتے ہین، اور کہتے ہین کہ طبعاً نہ تو ہمارے پاس حسن و قبح کے شناخت کا کوئی ذریعہ ہے، اور نہ ہم کسی حس باطنی کی مدد سے اپنے افعال و جذبات مین اخلاقی حیثیت سے کوئی ترتیب مدارج قائم کرسکتے ہین بلکہ ہم ان نتائج پر صرف تجربہ و مشاہدہ کی وساطت سے پہنچ سکتے ہین، یعنی جن افعال کو ہم یہ دیکھتے ہین کہ اُن سے نوع انسان کی مجموعی راحت و مسرت مین اضافہ ہوتا ہے یا انسانی درد و کلفت مین اُنسے کمی ہوتی ہے، اُنہین ہم افعال حسنہ قرار دیتے ہین، اور جن افعال کے متعلق ہم یہ پاتے ہین کہ وہ اسکے برعکس اثر ڈالتے ہین اُنہین افعال مذموم سے تعبیر کرتے ہین مختصر یہ کہ "بڑی سے بڑی تعداد افراد کو بڑی سے بڑی مسرت" بس یہ کلیہ ہر ماہر اخلاقیات کے لئے شمع ہدایت ہونا چاہیئے کہ یہی حسن اخلاق کا بہترین مظہر اور کمال تزکیۂ نفس کا اعلیٰ ترین معیار ہے[1]،

فلسفۂ اخلاق کے یہ دونون نظرئیے مذہبی، شخصی اور تمدنی حیثیت سے بالکل مختلف نتائج پیدا کرتے ہین، مذہبی حیثیت سے رواقیت، (ضمیریئت) نے خودداری و ضبط نفس کا جو نظام قائم کیا تھا اسکی بنیاد غرور پر تھی، اعتماد نفس کا مرتبہ رواقیت نے اس درجہ بڑھا دیا تھا کہ توبہ و استغفار کی کوئی گنجائش ہی نہین باقی رہی تھی، رواقیئین کے نزدیک معصیت کی حقیقت اس سے زائد کچھ نہ تھی کہ وہ ایک طرح کا مرض ہے، جسے دُور کرنا تو بے شبہہ انسان کا

[1] تاریخ اخلاق یورپ صفحہ ۴،

فرض ہے، لیکن اسکے اسباب کی چھان بین کرنا یا اُسپر تاسف کرنا ضرور نہین[1]، شخصی طور پر دنیا مین ہمیشہ دو طرح کے آدمی پائے جاتے ہین، ایک وہ جو ثبات، استقلال و ضبط نفس کے بہت بڑے حصہ دار ہوتے ہین، جو خودداری و نفس کشی کی بڑی سی بڑی آزمائشون مین پورے اُتر سکتے ہین، جنکا خمیر ایثار، دیانت داری، جرأت و ہمت سے ہوتا ہے، اور جو حق و صداقت کے مقابلہ مین جان تک کی پروا نہین کرتے، دوسرے قسم کے وہ لوگ ہوتے ہین جو ہر شے مین سہولت ڈھونڈھتے ہین، اور تحمل شدائد پر قادر نہین ہوتے، جو اپنی زندگی کو لطف و آسائش سے بسر کرنا چاہتے ہین، جو خوش خوئی، احباب پروری، ملنساری و لطف صحبت کو حاصل عمر سمجھتے ہین، اور جو شدید نفس کشی، ایثار و جانبازی کے ناقابل ہوتے ہین، ان مین سے اول الذکر قسم کے لوگ طبعاً و فطرۃً رواقیئین (ضمیریئین) ہوتے ہین اور ثانی الذکر لذتیئین،

لیکن اگرچہ ان معاملات مین انسان کی سیرت فطری اسکے عقاید و خیالات کی تشکیل مین مدخل عظیم رکھتی ہے، تاہم اسمین شبہہ نہین کہ افراد کی سیرت بجائے خود اپنی تشکیل کیلئے قومی حالات و خصوصیات پر منحصر ہے، شلاً یونان و ایشیائے کوچک مین جو لطیف، نفیس و پر تکلف تمدن شایع تھا، اسکے لحاظ سے وہان لذتیہ کے انداز کے بہت سے افراد آسانی سے پیدا ہوسکتے تھے[2]، لیکن خود اپیکورس کا فلسفۂ اخلاق اس قسم کے افراد کو نہین پیدا کرسکتا تھا، وہ بذات خود نہایت اعلیٰ سیرت اور بیداغ چال چلن رکھتا تھا، اور اس نے جو اصول قائم کئے تھے وہ بہت بلند اور جملہ فضائل و محاسن اخلاق پر حاوی تھے، اسکے تلامذہ بھی بعض اخلاقی فضائل کے لحاظ سے بہت ممتاز تھے[3]،

[1] تاریخ اخلاق یورپ صفحہ ۱۵۹ [2] ایضاً صفحہ ۱۳۹، ۴۰ [3] ایضاً ۱۴۲،

البتہ اس کے اصول مین تاویل کی بہت کچھ گنجائش تھی، اسلئے جو لوگ ان سے عیاشانہ زندگی مین کام لینا چاہتے تھے، اُنکے لئے وہ ایک عمدہ حیلہ بن سکتا تھا، قدیم رومن قوم مین ضبط، نفس کشی، ایثار، اور جانبازی کا مادہ شدت سے موجود تھا، اور جنگی طوائف الملوکی اور فوجی زندگی نے اُنکے اخلاق مین اور بھی شدت و صلابت پیدا کردی تھی، اسلئے قدرتی طور پر روما مین رواقیت یعنی ضمیریئت کا فلسفیانہ اثر اور اخلاقی اقتدار شدت سے قائم ہا، شہنشاہی کے زمانہ مین اگرچہ اکثر حالات بدل گئے تھے تاہم رواقیت کا فلسفیانہ اثر اور اخلاقی اقتدار اب بھی باقی تھا، اسمین شک نہین کہ اس دور مین لذتیت کی بھی اشاعت رہی، لیکن اسکو کوئی اخلاقی اہمیت کبھی حاصل نہین ہوئی، بلکہ یہ ہمیشہ بد اخلاقی و تعیش کے لئے لوگون کے ہاتھ مین بطور ایک حیلہ کے رہی یا زیادہ سے زیادہ اُسے ان افراد نے اختیار کیا جو پہلے ہی سے ضعیف الاخلاق تھے، لیکن جس مسلک کی بنیاد لذت و مسرت پر ہو وہ جنگی طوائف الملوکی کے زمانہ مین شدید اخلاقی کشاکش کا کبتک مقابلہ کرسکتا، اور رومیون کے جبلی فضائل در ذائل تو سرے سے اسکی مقبولیت و کامیابی کے مخالف تھے، انکے تمام تخیلات ایک بالکل مختلف سانچہ مین ڈھلے ہوے تھے، اُنکے لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ لذتیت کے اثر مین آکر ایثار و نفس کشی کے جذبات اپنے اندر رکھ سکین، اور پھر اپیکورس نے لذت کے جو دقیق اقسام کئے تھے اور انسان کی مسرت حقیقی کی جو تعریف کی تھی، یہ بھی رومیون کی سمجھ سے باہر تھی وہ اگر حصول لذت کی کوشش کرتے تو بس عیش پرستیون کی انتہائی ہی صورتون پر جھک پڑتے، پس اپیکورس کے مذہب کا رومن تاریخ پر جو اثر پڑا اسکی حیثیت بالکل سلبی و منفیانہ رہی، یعنی صرف اسقدر کہ وطن پرستی و قومیت کے جوش و خروش کو دبا کر اور عام اخوت انسانی کے خیال کو چمکا کر اس نے مذہب مروجہ کے انحطاط و زوال مین

اور عجلت پیدا کردی[۱]،

ضمیریئت اور افادیئت کے ان نتائج مختلفہ سے صاف طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ضمیریئت مین ہر حیثیت سے جمود، صلابت، شدت، اور غرور و خود بینی پائی جاتی ہے اور افادیت مین لطافت، نزاکت، نفاست، انکسار، فروتنی، اور عجز و الحاح کا مادہ موجود ہے، یونان، ایشیاے کوچک اور روما مین یہ دونون مذہب الگ الگ قائم تھے، اور اسلئے اُنکے نتائج بھی مستقل مظاہر مین نمایان ہوتے تھے، لیکن اسلام نے ان دونون مذاہب کو مخلوط کردیا،

ضمیریئت کا تمامتر دار مدار وجدان، ذوق، اور ایک اخلاقی حاسہ باطنی پر تھا، اور اسلام نے بھی نہایت صراحت کے ساتھ اسکے وجود کو تسلیم کیا، چنانچہ حدیث شریف مین آیا ہے،

البر حسن الخلق والاثم ما حاک فی نفسک وکرھت ان یطلع علیہ الناس[۲] — نیکی حسن خلق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو تمہارے دل مین کھٹکے اور تم یہ نہ پسند کرو کہ لوگ اس سے واقف ہون،

لیکن دنیا کی اخلاقی تحریک اور اخلاقی روک ٹوک کے لئے عملی طور پر صرف یہ وجدان کافی نہین ہوسکتا، نیکی کو صرف نیکی کے لئے اگر کرسکتے ہین تو صرف حکما، رواقیین ہی کرسکتے ہین، عام طور پر لوگ اُسی کام کو کرتے ہین جو اُنکے لئے مفید ہوتا ہے اور اس کام سے بچتے ہین جسمین اُنکو علانیہ اپنا نقصان نظر آتا ہے، اسلئے عملی حیثیت سے ایک موسس اخلاق کا اصلی فرض یہ ہے کہ وہ صرف دنیا کے حاسہ اخلاقی پر اعتماد نہ کرے بلکہ ہر چیز کے منافع و مضار کو بھی نہایت وضاحت کے ساتھ بتا دے، افادیت نے صرف یہی فرض ادا کیا تھا، اور اسلام نے بھی یہی فرض ادا کیا، چنانچہ شراب و قمار کے متعلق فرمایا،

فیھما منافع للناس واثمھما اکبر من نفعھما — ان دونون مین لوگون کیلئے فوائد بھی ہین لیکن انکا گناہ ان دونون کے نفع سے بڑا ہے

[۱] تاریخ اخلاق یورپ صفحہ ۲۴۲ [۲] مسلم باب تفسیر البر و الاثم،

اس موقع پر دو مفید چیزون کو اِسلئے واجب الترک قرار دیا کہ اِنکے نقصانات کا پلہ انکے فواید سے بھاری تہا، لیکن چند مخصوص حالتون مین ایک بداخلاقی کے جواز کا اِسلئے فتوی دیا کہ وہ مفید نتائج پیدا کرتی تھی، چنانچہ جہوٹ کو ہر حال مین ناجائز بتایا، لیکن تین صورتون مین اسکی اجازت دی،

الحرب والاصلاح بین الناس وحدیث | لڑائی مین اور لوگون کے درمیان مصالحت کرانیکیلئے
الرجل امراتہ وحدیث المراۃ زوجھا[1] | اور میان بیوی مین باہم جو باتین ہون اُن مین،

فلسفہ اخلاق کے ان دونون نظریات کے اختلاط کا یہ نتیجہ ہوا کہ جمود، صلابت، شدت غرور، خود بینی، اور لطافت، نفاست، انکسار، اور عجز والحاح کی باہمی آمیزش، اُنکے فعل وانفعال، اور کسر وانکسار سے ایک نہایت معتدل قسم کا تمدن پیدا ہوگیا جو صحابہ کے زمانہ تک اسی معتدل حالت مین قائم رہا، لیکن جون جون زمانہ گذرتا گیا مذہبی بندشین کمزور ہوتی گئین، اور اسلامی تمدن مین روز بروز لطافت آتی گئی، یہانتک کہ خلفاے بنو امیہ کی بزم عیش سے نغمہ وسرود کی آوازین آنے لگین، اور اخطل نے اس نشہ آور شاعری مین نام پیدا کیا، جسکی تکمیل خیام اور حافظ نے کی، خلفاے عباسیہ کے دور مین اسلام کی تمدنی لطافت کے ساتھ ایرانی نفاست بھی شامل ہوگئی، اور ان دونون کے امتزاج نے ابونواس کو پیدا کیا، جس نے اخطل کی شراب کو اور بھی دوآتشہ کردیا، تمدنی رنگینیون کے ساتھ فلسفیانہ خیالات کی عام اشاعت نے پانچوین صدی مین ابوالعلا معری جیسا آزاد خیال شاعر پیدا کیا جس نے نہایت کہُلے ہوے الفاظ مین عذاب وثواب، نبوت رسالت، حشر ونشر غرض تمام نظام شریعت کا انکار کیا، ابوالعلا معری نے سنہ ۴۴۹ھ مین

[1] مسلم باب تحریم الکذب وبیان مایباح منہ،

وفات پائی، اور اسی کے بعد خیام کا غلغلہ بلند ہوا، اور اس نے اخطل، ابونواس اور معری کے کہنڈر پر ایک نئی عمارت تعمیر کی، اخطل اور ابونواس صرف شراب کی تعریف مین قصیدے کہتے تھے، معری صاف صاف ملحدانہ بولی بولتا تہا، لیکن خیام نے ان خیالات مین ایک خاص ترتیب پیدا کرکے انکو ایک مستقل فلسفہ کے قالب مین ڈہالدیا، اور اسکے زمانہ مین دنیاے اسلام کی جو حالت تھی، اسکا قدرتی نتیجہ بھی یہی تہا، خیام کے زمانہ مین دین ودنیا دو گروہ کے ہاتہہ مین منقسم ہوگئے تھے، علما و فقہار کا گروہ جو خشک مزاجی، رہبانیت، جمود، عجب، غرور اور خود بینی مین ضمیرئین اور رواقیئین سے مشابہت رکہتا تہا، دین کا مالک تہا، اور ارباب سیاست یا اصحاب حکومت جنمین متواتر خانہ جنگی، طوائف الملوکی، اور فوجی ہنگامہ آرائی نے سخت قساوت، سنگدلی، بیرحمی اور جاہ پرستی کا مادہ پیدا کردیا تہا، دنیا کے مالک بنگئے تھے، اور ان دونون گروہ کی اخلاقی حالت نے تمدن کی لطافت اور اخلاق کی لچک کو بالکل فنا کردیا تہا، دنیا مین جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، دو قسم کے لوگ ہوتے ہین، ایک وہ جو ثبات، استقلال اور ضبط نفس کے بہت بڑے حصہ دار ہوتے ہین، دوسرے وہ جو ہر شے مین سہولت ڈہونڈہتے ہین اور تحمل شدائد پر قادر نہین ہوتے، پہلی قسم کے لوگ طبعاً رواقیئین ہوتے ہین، اور دوسری قسم کے لوگ لذتیئین، خیام فطرۃً اسی دوسرے قسم کے لوگون مین تہا، نظام الملک کے دربار مین اگرچہ اُسکو بڑے سے بڑا سیاسی منصب ملسکتا تہا، لیکن اس نے اس درد سر کو گوارا نہین کیا، اور معمولی وجہ معاش پر قناعت کرکے عزلت گزینی اختیار کرلی، اس بنا پر نہ تو وہ زاہدون کی طرح ریاضت شاقہ کرسکتا تہا، نہ سپاہیون کی طرح میدان جنگ کی مصیبتین جہیل سکتا تہا، لیکن اسکی نگاہ کے سامنے یہی دو گروہ تھے، اور اُسکو اپنے طبعی خصائص کی بنا پر نظر آتا تہا کہ ان دونون گروہ کی بے اعتدالیون نے دین ودنیا دونون کے مطلع کو

غبار آلود کر دیا ہے، اِسلئے اس نے ان دونون کے جذبات وخیالات مین اعتدال پیدا کرنا چاہا، اپیکورس نے طبعی اور ضروری خواہشون کے پورا کرنیکی اجازت دی تھی خیام نے بھی اس اعتدال کو سرمایۂ مسرت وراحت قرار دیا،

در دہر ہر آنکہ نیم نانے دارد   وز بہر نشست آستانے دارد
نے خادمِ کس بود نہ مخدوم کسے   گو شاد بزی کہ خوش زمانے دارد

لیکن خیام کو نظر آتا تھا کہ یہ مسرت دنیا سے کافور ہوگئی ہے اور افق عالم پر شہوانی خواہشین اسقدر محیط ہوگئی ہین کہ قناعت، فضائل انسانی کی فہرست سے خارج کردیگئی ہے جسکا نتیجہ یہ ہے کہ

این جمع اکابر کہ مناصب دارند   از غصہ وغم زجان خود بیزارند
وانکس کہ اسیر حرص چون ایشان نیست   این طرفہ کہ آدمیش مے نشمارند

اسلئے خیام نے بالکل زاہدانہ لہجہ مین بتایا کہ دنیا جس دنیا پر جان دے رہی ہے وہ خود ایک چلتی پھرتی چھاؤن ہے، جن لوگون نے دنیا کو اپنی نمائشگاہ بنایا تھا، اب وہ خود دوسرون کی نمائش کا سامان بنے ہوے ہین،

خاکے کہ بزیر پاے ہر حیوانے است   زلف صنمے وعارض جانانے است
ہر خشت کہ بر کنگرۂ ایوانے است   انگشت وزیرے وسر سلطانے است

لیکن اسکے ساتھ خیام کو یہ بھی نظر آیا کہ جن لوگون نے اس حقیقت کو سمجھکر اپنا دامن سمیٹ لیا ہے ان مین بھی جمود تو ہے، لیکن سکون نہین، اُن مین بھی قناعت تو ہے لیکن بے فکری نہین اُن مین بھی ذوق تو ہے، لیکن اس ذوق مین لطافت نہین، اِسلئے خیام نے اس گروہ سے بھی علٰحدگی اختیار کی، اور صاف صاف کہدیا کہ

یک شیشہ شراب ولب یار ولب کشت   این جملہ مرا نقد وترا نسیہ بہشت
قومی بہ بہشت ودوزخ اندر گروند   کہ رفت بدوزخ وکہ آمد ز بہشت

زان پیش کہ برسرت شبخون آرند   فرماے کہ تا بادۂ گلگون آرند
تو زر نۂ اے غافل نادان کہ ترا   در گور نہند وباز بیرون آرند

این عقل کہ در رہ سعادت پوید   روزے صد بار خود ترا می گوید
دریاب تو این یکدمہ فرصت کہ نۂ   آن ترہ کہ بدروی وآخر روید

لیکن اس موقع پر اسکو نظر آیا کہ اسکی یہ تعلیم مذہب اور فلسفہ دونون کے مخالف ہے مذہب تو صاف صاف اسکی مخالفت کرتا ہے، اور اپیکورس بھی شراب پینے کی اجازت نہین دیتا، اِسلئے اس نے جیسا کہ ایک رقیق الطبع اپیکورین کو ہونا چاہیئے، سب سے پہلے ان عاجزانہ الفاظ مین خدا کے سامنے الحاح وزاری کی،

بر سینۂ غم پذیر من رحمت کن   بر جان ودل اسیر من رحمت کن
بر پاے خرابات رو من بخشاے   بر دست پیالہ گیر من رحمت کن

من بندۂ عاصیم رضاے تو کجا است   تاریک دلم نور وصفاے تو کجا است
مارا تو بہشت اگر بطاعت بخشی   آن بیع بود لطف وعطاے تو کجا است

اسکے بعد اس گناہ کا اصلی سبب تلاش کیا تو معلوم ہوا کہ وہ مجبور تھا اِسلئے نہایت ادب کے ساتھ اُس نے اس گناہ کا ذمہ دار خود خدا کو قرار دیا،

نقشے است کہ بر وجود ما ریختۂ   صد بوالعجبی زما برانگیختۂ
من زان بہ ازین نمی توانم بودن   کز بوتہ چنین مرا فرو ریختۂ

فلسفیانہ حیثیت سے اگرچہ اس نے اپیکورس کے اصول اعتدال کی خلاف ورزی کی

لیکن جہانتک ممکن تھا، اس نے اس بے اعتدالی مین بھی اعتدال کو ملحوظ رکھا اور شراب نوشی کے لئے متعدد شرطین مقرر کین،

مے گرچہ حرام است ولے تا کہ خورد　　آنگاہ چہ مقدار؟ و دگر با کہ خورد؟

ہرگاہ کہ این چہار شرط آید جمع　　پس مے نخورد مردمِ دانا کہ خورد؟

پھر صاف صاف ان شرائط کی تشریح کی،

گر بادہ خوری تو با خردمندان خور　　یا با صنمے سادہ رُخے خندان خور

بسیار مخور، ورد مکن فاش مساز　　اندک خور و گہ گہ خور و پنہان خور

اسکے نزدیک شراب پینے کا جو مقصد تھا اور یہ مقصد جس طریقہ سے حاصل ہوسکتا تھا اُسکو اس طرح بیان کیا،

چون ہشیارم طرب زمن پنہان است　　ورمست شوم در خردم نقصان است

حالے است میان مستی و ہشیاری　　من بندۂ آنکہ زندگانی آن است

چون بادہ خوری ز عقل بیگانہ مشو　　مدہوش مباش و جہل را خانہ مشو

خواہی کہ مے لعل حلالت باشد　　آزار کسے مجوے و دیوانہ مشو

اب اگر ان خیالات کو اپیکورین فلسفہ کے قالب مین ڈھالنا چاہین تو اُنکی ترتیب یہ ہوگی،

قناعت اور آزادہ روی مین جو مسرت ہے اُسمین شخصی اور اجتماعی رنج و غم کی آمیزش نہین ہے، اسلئے اگر

خواہی کہ ترا رتبت اسرار رسد　　مپسند کہ کس را ز تو آزار رسد

از مرگ میندیش و غم رزق مخور　　کین ہر دو بوقت خویش ناچار رسد

اور اپیکورس بھی یہی کہتا ہے کہ "وہ لذتین تلاش کرو جنکے بعد رنج نہو۔"

شراب اگرچہ اپیکورس کے نزدیک جائز نہین، لیکن اگر اعتدال کے ساتھ پی جاے تو اس سے کسی قسم کا عقلی، اجتماعی اور اخلاقی نقصان نہین پہنچ سکتا، اسلئے وہ بھی اسی اصول کے تحت مین داخل ہے، اسکے علاوہ جتنی چیزین ہین، سب مین منفعت کے ساتھ مضرت، اور مسرت کے ساتھ رنج و غم کی آمیزش ہے، زہد و تقشف، مجاہدہ و مراقبہ، ریاضت و عبادت مین یا تو سرے سے کوئی فائدہ ہی نہین ہے، کیونکہ

تو زر نہ اے غافل نادان کہ ترا　　در بوتہ نہند و باز بیرون آرند

اسلئے حسب ارشاد اپیکورس "اس رنج سے بچنا چاہیئے جو کوئی لذت نہ پیدا کرے"،
اور اگر فائدہ ہے تو وہ ان فواید کے مقابل مین ہیچ ہے جو ہمکو دنیا مین حاصل ہوسکتے ہین،

یک شیشہ شراب و لب یار و لب کشت　　این جملہ مرا نقد و ترا نسیہ بہشت

اسلئے اپیکورس کی ہدایت کے مطابق "اس لذت سے احتراز کرو جو تمکو اپنے سے بڑی لذت سے محروم کردے"۔

اپیکورس کے اخلاقی دستور العمل کی آخری دفعہ یہ ہے کہ "اس رنج کو برداشت کرلو جو اپنے سے بڑے رنج سے نجات دے یا جسکے بعد بڑی لذت حاصل ہو"۔

لیکن خیام نے اس چند روزہ زندگی کے بسر کرنیکے لئے جو روش اختیار کی ہے اسکے لئے کسی رنج کے برداشت کرنیکی ضرورت نہین اسلئے وہ ہمیشہ خوش رہنے کی تعلیم دیتا ہے،

روزیکہ گذشتہ است ازو یاد مکن　　فردا کہ نیامدہ است فریاد مکن

بر نامدہ و گذشتہ بنیاد مکن　　حالے خوش باش و عمر بر باد مکن

لیکن خیام نے جس زمانہ مین اس فلسفہ کی تعلیم دی اسکی عدم مقبولیت کے مختلف اسباب جمع ہوگئے تھے اس نے جو زمانہ پایا،

(۱) وہ فوجی ہنگامہ آرائیون کا زمانہ تھا، قوم مین اگرچہ عیش پسندی آگئی تھی، لیکن بااینہمہ جذبات وخیالات مین وہ رقت ولطافت نہین پیدا ہوئی تھی جو اس لطیف فلسفہ کا خیر مقدم کرتی، ترک تمام دنیا پر چھائے ہوئے تھے، اور وہ فطرۃً قدیم رومن قوم سے مشابہت رکھتے تھے، شاعری کی تمام انواع مین صرف رزمیہ شاعری کا عام طور پر چرچا تھا، قدما نے غزل کا جو خاکہ تیار کیا تھا اسمین اسقدر رنگینی نہین آئی تھی جو خیام کے خیالات کو رنگین تر بنا دیتا،

(۲) ابو العلاء معری نے جن خیالات کی بنا پر ملحد وبد دین کا خطاب پایا تھا، خیام نے اگرچہ بہت کچھ انکی اصلاح کر دی تھی، تاہم وہ قیامت کے انکار مین اسکا ہمزبان تھا، اور اہل ظاہر کی طرح اہل تصوف نے بھی اس مسئلہ مین شدت کے ساتھ اسکی مخالفت کی، اُس نے دنیوی عیش کو نقد اور اخروی لذتون کو اُدھار قرار دیا تھا،

یک شیشہ شراب ولب یار ولب کشت — این جملہ مرا نقد وترا نسیہ بہشت

خواجہ فرید الدین عطار نے اسکی تردید مین کہا،

گرفتم در بہشت نسیہ نتوانی رسیدن تو — ولے خود را ازین دوزخ کہ نقد است برہانی

اس نے شاعرانہ انداز مین کہا تھا کہ انسان کچھ گھاس پات نہین ہے کہ ایک مرتبہ اگر اسکو کاٹ ڈالا جاے تو پھر اسمین نشو ونما ہو،

دریاب تو این یکدمہ فرصت کہ نہٗ — آن ترہ کہ بدروی وآخر روید

مولانا روم نے بھی شاعرانہ انداز مین اسکا جواب لکھا،

کدام دانہ فرو رفت در زمین کہ نہ رست — چرا بدانہٗ انسانت این گمان باشد

(۳) اسلام کے گمراہ فرقون مین باطنیہ، مزدکیہ اور خرمیہ عقاید وخیالات مین خیام کے ساتھ اشتراک رکھتے ہین، یعنی فرقہ باطنیہ شریعت کو ایک معما قرار دیتا ہے، جسکے دو رخ ہین

ظاہر وباطن، اور مزدکیہ اور خرمیہ جائز وناجائز کا فرق اُٹھا دیتے ہین اور ہر لذت کو اپنے لئے مباح قرار دیتے ہین، خیام کے زمانہ مین ان فرقون کی نشو ونما کا شباب تھا، اور وہ مذہبی اور پولیٹکل دونون حیثیتون سے خطرناک خیال کئے جاتے تھے، خیام جو خیالات ظاہر کرتا تھا اُن کا مقصد اگرچہ ان فرقون سے مختلف تھا، تاہم وہ ان خیالات کی ترجمانی کرکے مقبول عام نہین ہو سکتا تھا،

لیکن خیام کے بعد خواجہ حافظ نے اس فلسفہ کا اعادہ کیا تو انکی خوش قسمتی سے دفعۃً حالات بدل گئے،

(۱) تاتاری حملہ نے مسلمانون کے فوجی جذبات مین عام تنزل پیدا کر دیا، اسلئے جذبات مین عام طور پر رقت ولطافت آگئی،

(۲) تمدنی حیثیت سے شیراز بالکل موجودہ زمانہ کا فرانس بنگیا اور عیش پسندی کی یہ حالت ہوگئی کہ جب شاہ ابو اسحاق کے عہد مین شاہ مظفر نے شیراز پر چڑھائی کی تو ابو اسحاق نے بالاخانے سے اسکے لشکر کو دیکھکر کہا کہ "عجیب احمق ہے اس بہار مین یون اوقات خراب کرتا ہے" یہ شعر پڑھکر نیچے اُتر آیا،

بیا تا یک امشب تماشا کنیم — چو فردا شود فکر فردا کنیم[1]

خواجہ حافظ اسی شاہ ابو اسحاق کے زمانہ مین تھے، اسلئے اُن سے زیادہ کون اس شعر کی داد دے سکتا تھا،

(۳) جن ملحدانہ خیالات کی بنا پر ابو العلاء اور خیام بدنام تھے، خواجہ صاحب نے اُن سے بہت کم تعرض کیا، خیام بار بار حشر ونشر کا انکار کرتا ہے، اور صاف صاف کہتا ہے،

[1] شعر العجم تذکرہ خواجہ حافظ،

تو زرنه ای غافل نادان که ترا — در بوته نهند و باز بیرون آرند

دریاب تو این یکدمه فرصت که نه — آن تره که بدر دی و آخر روید

لیکن خواجہ صاحب نے صراحۃً قیامت کا کہین انکار نہین کیا، ایکبار انکی زبان سے یہ شعر نکل گیا،

گر مسلمانی این است که واعظ دارد — وای اگر در پس امروز بود فردای

اسپر شاہ شجاع نے انکو ستانا چاہا، لیکن مولانا زین الدین ابوبکر تائبادی کے مشورہ سے انھون نے اسکو بھی ایک عیسائی کا مقولہ بنا دیا،

دی دو بیتم چه خوش آمد که سحر گه میگفت — بادف و بربط و نے مغبچه ترسائے[1]

اس بنا پر باوجود رندی و سرمستی کے کسی نے انکو ملحد یا بددین نہین قرار دیا،

(۴) رزمیہ شاعری بالکل فنا ہو چکی تھی اور صوفیانہ شاعری کو قبول عام حاصل ہو رہا تھا خواجہ صاحب کا کلام صوفیانہ خیالات سے لبریز تھا، اسلئے صوفیون کے حلقہ مین خصوصیت کے ساتھ مقبول ہوا، آخر زمانہ مین خیام کو بھی اس مقدس حلقہ مین رسائی حاصل ہوئی، چنانچہ علامہ جمال الدین قفطی اخبار الحکماء مین لکھتے ہین

وقف متاخرو الصوفیة علی شیء من ظواہر شعرہ فنقلوہا الی طریقتہم و تحاضروا بہا فی مجالستہم و خلواتہم[2] — متاخرین صوفیہ اسکے اشعار کی چند ظاہری باتون سے واقف ہوے اور انکو اپنے طریقہ کی طرف نقل کر لیا اور اپنی مجلسون اور اپنی خلوتون مین انکو پڑھا،

(۵) خواجہ صاحب نے اپنے خیالات کے اظہار کے لئے غزل کو انتخاب کیا تھا جسکی بحرون مین موسیقیت پائی جاتی ہے، بالخصوص خواجہ صاحب کا کلام تو سراپا موسیقی ہے مثلاً

چو در دست است رودی خوش بزن مطرب سرودی خوش — که دست افشان غزل خوانیم و پاکوبان سر اندازیم

[1] شعر العجم تذکرۂ حافظ [2] اخبار الحکماء صفحہ ۱۶۲

یکی از عقل می لافد دگر طامات می بافد — بیا کین داوریہا را به پیش داور اندازیم

اگر غم لشکر انگیزد که خون عاشقان ریزد — من و ساقی بهم سازیم و بنیادش بر اندازیم

شراب ارغوانی را گلاب اندر قدح ریزیم — نسیم عطر گردان را شکر در مجمر اندازیم

اسلئے وہ قوالون کی زبان پر نہایت آسانی سے چڑھ گیا، اور خیام کی رباعیون کو یہ بات نصیب نہین ہوئی،

(۶) اب مزدکیہ اور خرمیہ وغیرہ کا وجود باقی نہین رہا تھا، اسلئے حافظ کی آواز مذہبی بدگمانیان نہین پیدا کر سکتی تھی،

(۷) خواجہ صاحب کے کلام مین تنوع پایا جاتا ہے، جس سے انسان کی طبیعت نہین گھبراتی، اور خیام بار بار ایک ہی خیال کو دہراتا ہے جس سے جی اکتا جاتا ہے، ان اسباب کا یہ نتیجہ ہوا کہ خواجہ صاحب کا کلام گھر گھر پھیل گیا، اور اس نے ہر جگہ ایک عام جوش نشاط پیدا کر دیا، چنانچہ خود خواجہ صاحب فرماتے ہین،

بشعر حافظ شیراز می گویند و می رقصند — سیه چشمان کشمیری و ترکان سمرقندی

لیکن خیام کی مقبولیت مخصوص اہل ذوق کے حلقہ تک محدود رہی، اور اس دائرہ سے باہر اسکا کوئی اثر قائم نہو سکا۔

عبد السلام ندوی

سیرِ فلک

از یوسف الزّمان صاحب امیونی

آسمان کا منظر اندھیری رات مین بیشمار چھوٹے چھوٹے تارون سے جگمگاتا ہوا شاعرون اور فطرت کے عاشقون کے واسطے ایک دل بہلانے والا منظر ہے، کوئی تارون کی جھلملاتی روشنی کو بخت خفتہ کی بیداری سے تعبیر کرتا ہے، کوئی کسی تاریک رات کی لاتنتاہی درازی سے تنگ آکر فراق یار مین اختر شماری کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، کسی شاعر کی حسرت ناک امید اس شعر مین فراق کی راتون کے مشاغل پر کافی روشنی ڈالتی ہے،

انی ارٰی واظن ان ستریٰ وضح النہار وعالی النجم

روشن چاند اور نکھری سفید چاندنی بھی کیسے دلکش مناظرِ قدرت ہین، جیسے اندھیری رات کو عموماً فراق کی تکالیف اور خیال یار کے ساتھ نسبت دیجاتی ہے، ویسے ہی چاندنی رات شب وصل کے لوازمات اپنے ساتھ لاتی ہے، اور اسی سبب سے جاڑون کی شفاف چٹکی چاندنی کو نوجوان بیوہ سے مشابہ کہا جاتا ہے، شعراء اور عشاق نے چاند کو وہ درجہ دے رکھا ہی کہ جسپر خود خوبروؤن کو رشک کرنا چاہیئے وہ خوبرون کو "مہ جبین" "مہ لقا" "ماہ رخ" کے نام دیتے ہین اور شاید اس خیال کی بنیاد پرانے اعتقاد سے کوئی تعلق رکھتی ہو، جب چاند ہی کو نہین بلکہ دوسرے سیارون اور ستارون کو بھی دیویان کہا جاتا تھا، جو خوبصورتی اور حسن مین لاثانی سمجھی جاتی تھین، "زہرہ جبین" اور "ثریا شمایل" اسکی خاص مثالین ہین، پھر روز مرہ کے نکلنے والے سورج کو بھی معشوق سے مشابہ کرنیکو چنا گیا، صاحب فسانۂ عجائب کی ملکہ مہر نگار

عقل و فرزانگی مین مردون کے کان کاٹتی تھی، اور جان عالم کی دوسری ملکہ ماہ طلعت سے جو نکی، بھولے پن اور شرم وحیا کی تصویر تھی، کہین زیادہ سمجھدار تھی، سرور نے کمال فہانت سے ہوشیار، چالاک، اور شوخ تندخو ملکہ کو مہر نگار کا نام دیا، اور نیک، سنجیدہ مزاج بھولی بھالی، زود رنج ملکہ کو ماہِ طلعت، کہا، اور حقیقت یہ ہے کہ سورج اور چاند مین کچھ ایسے ہی اوصاف پائے جاتے ہین، ہمارے مہر عالمتاب کو مے و میخانہ سے خاص نسبت دیجاتی ہے غالب کہتے ہین،

میخانہ وہ منظر ہے کہ ہر صبح جہان شیخ
دیوار پہ خورشید کا مستی سے سر آوے

آفرینش آدم کے ایک عرصہ بعد تک محض اس قسم کے توہمات سے فضائے بسیط کی معمہ کو حل کیا جاتا رہا، اور یہ توہمات کچھ اس طرح سینکڑون صدیون سے ہمارے اجداد کی فطرت مین داخل ہو گئے تھے کہ اکثر اصحاب محض اس سبب سے کہ جدید انکشافات چونکہ روایات سابقہ کے خلاف ہین، انکو ناقابل قبول تصور کرتے ہین، حالانکہ ہیئت کے متعلق جدید معلومات کا دارومدار ریاضی، طبعیات، اور علم کیمیا (کیمسٹری) کے ان علوم متعارفہ پر مبنی ہے، جن سے کوئی انکار نہین کر سکتا،

انسان نے اپنی عقل اور اپنے تجربہ کے موافق ہر دور اور ہر زمانہ مین فضائے آسمانی کی چھان بین کی ہے، اسیریا، چین، مصر، ہندوستان، یونان، اور قرطاجنہ یہ سب قدیم ترین تہذیبون کے مرکز رہے ہین اور کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علم نجوم ہمیشہ زمانہ قدیم مین تہذیب وتمدن کے ساتھ رہا ہے، ان تمام قدیم اقوام نے اس راز کو افشا کرنیکی کوشش کی ہے ستارون کو دیوتا مانا گیا، چاند کی پرستش کیگئی، سورج کے سامنے سر جھکایا گیا، اپنی محدود معلومات کے موافق زمین کو مرکز سمجھکر تمام کائنات کو اسکا ماتحت بیان کیا گیا، آسمان کو ٹھوس

قرار دیا، پھر بطلیموس نے ان تمام مناظر کو علمی سانچہ مین ڈھالا، لیکن یہ اور اس سے پہلے کے تمام نظریات واقعات سے دور تھے، اصل ہیئت جدید کی ابتدا حق وصداقت کے شہدا کاپرنیکس اور گیلیلو کے ساتھ ہوتی ہے، انھون نے نظام عالم مین ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا، زمین کو ایک ماتحت سیارہ تبلایا، سورج کو نظام شمسی کا مرکز قرار دیا، چاند کو خوبصورت دیوی کے بجائے زمین کا لڑکا[1] کہا، دوربین سے تمام فضاے بسیط چھان ڈالی، اور وہ سب ثابت کر دیا جسکو تسلیم کرنیکو اسوقت لوگ تیار نہ تھے،

لیکن ہیئت جدید کی نئی ترکیب اسوقت ایک حد تک مکمل ہوئی، جب نیوٹن نے صحیفۂ ہیئت مین نئے باب کا ہی نہین بلکہ ایک مستقل جلد کا اضافہ کیا، قانون کشش نے بہت سی ان باتون کو ثابت کر دیا جنکو گلیلو اور کاپرنیکس نہ ثابت کر سکے تھے، یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جب قرون مظلمہ (تیرہوین، چودہوین اور پندرہوین صدی عیسوی) کی کثیف تاریکی سے نکل کر روز روشن کے مناظر اور ان چیزون کی حقیقت جان کر جو شب تار کی ظلمت مین کچھ کی کچھ نظر آتی تھی، یورپ اپنی لاعلمی کے باعث کی ہوئی حرکتون پر اظہار تاسف کر رہا تھا، اہل یورپ کی بیداری سے عقل انسانی کی بلند پروازی نے ہیئت جدید کو ایک نئے ڈھنگ پر پیش کیا، کاپرنیکس کے نظریات، گیلیلو کی دوربین کی ایجاد، نیوٹن کے قانون کشش، انیسوین صدی مین فوٹو گرافی کا ہیئت مین استعمال، اور سب سے آخر مین اسپکٹر اسکوپ سے روشنی کے اجزا کی تقسیم، ان سب باتون نے مل کر اب ایک ایسے نظام کائنات کا نقشہ ہمارے سامنے پیش کیا ہے جسکا ذکر تعجب خیز، ہیبت اور حیرت انگیز عظمت ہمارے دلون مین پیدا کرتا ہے،

[1] ہم اپنے ایک آیندہ مضمون مین دکھلائینگے کہ اس خیال مین کہ چاند اصل مین زمین کا ایک حصہ تھا بہت کچھ اب تغیر ہو گیا ہے،

قبل اسکے کہ اس پُر ہیبت منظر کا کچھ ذکر کیا جاے، ہیئت کی ایک ضروری اصطلاح کو واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے، "روشنی کے سکنڈ" "روشنی کے منٹ" "روشنی کا سال" ہیئت کی ایک اصطلاح ہے جس سے فاصلہ ظاہر کیا جاتا ہے بلکہ یون کہنا چاہیئے کہ فاصلہ کو وقت کی صورت مین تبدیل کر کے قابل قیاس بنایا جاتا ہے،

اندھیری رات مین اگر آتش بازی چھوٹتی ہو تو گولون کی آواز روشنی نظر آنے کے بعد سُنائی دیتی ہے، اسکا سبب یہ ہے کہ روشنی کی رفتار آواز کی رفتار سے کہین زیادہ ہے، آواز کی رفتار محض دو فرلانگ فی سکنڈ ہے، اور روشنی کی رفتار ۱۸۶۰۰۰ میل (بلکہ کسیقدر زیادہ) فی سکنڈ ہے، ایک سال مین ۳ کرور ۱۵ لاکھ ۳۶ ہزار سکنڈ ہوتے ہین، اسلئے وہ روشنی جو ایک سال مین ہم تک پہنچی ہم سے تین کرور × ۱۸۶۰۰۰ میل یعنی ۵۵ کھرب ۸۰ ارب میل کے فاصلہ سے آتی ہے، اور اسلئے بغرض آسانی اس فاصلہ کو ایک روشنی کے سال سے تعبیر کرینگے، آفتاب کی روشنی زمین تک آٹھ منٹ مین آتی ہے اور دونون کے درمیان ۹ کرور میل کا فاصلہ ہے، اس فاصلہ کو قیاس مین آنے کے قابل بنانیکی غرض سے کہین گے کہ آفتاب ہم سے آٹھ "روشنی کے منٹون" کے فاصلہ پر ہے،

آفتاب ہمارے نظام شمسی کا مرکز ہے، عطارد، زہرہ، زمین، مریخ، مشتری، زحل، نو دریافت شدہ یورنیس اور نیپچون، مع اپنے رفقا کے آفتاب کے مستقل حاشیہ نشینون مین ہین، لیکن ہر سال دو تین مہمان فضاے بسیط کے دور از قیاس حصص سے سفر کر کے ہمارے نظام مین داخل ہوتے اور "خسرو انجم" کے سامنے زانوے ادب تہ کرتے ہین، ان مہمانون کو ہم دُمدار ستارے کہتے ہین، ہر سال پر شاید آپکو تعجب ہوا ہو، ہر سال یہ آتے تو ضرور ہین لیکن بلا دوربین کے نظر نہین آتے، البتہ چند مشہور دمدار ستارے جو ہمارے مستقل مہمانون

ہین ہین اور ایک خاص مدت کے بعد نمودار ہوتے ہین، انکو ہر شخص چشم عریان سے (بلا دوربین کی مدد کے) دیکھہ سکتا ہے، ہیلی صاحب کا دمدار ستارہ جو ہر ۷۵ یا ۷۶ سال کے بعد نمودار ہوتا ہے، خاص طور سے قابل ذکر ہے، سنہ ۱۹۱۰ء مین یہی ستارہ نمودار ہوا تہا،

ہمارا نظام شمسی نظامون اور ستارون کے جہرمٹ سے دور دراز فاصلہ پر ہے، اندازہ کیا گیا ہے کہ اگر نظام شمسی کو ایک میل لمبا چوڑا انگلستان تصور کرلین تو اس خلا کو جسمین کوئی دوسرا ستارہ ابتک نظر نہین آیا، اور جو ہمارے نظام (شمسی) کے گرداگرد پہیلا ہے، نسبتہً صحرائے افریقہ کا دوگنا ماننا پڑیگا، ایک "روشنی کا سال" ۵۵ کہرب میل (۵ ۱/۲ بلین) کے برابر ہے، اور ہمارے آفتاب سے نزدیک ترین سیارہ (Alpha Centauri) تین "روشنی کے سالون"، یعنی تقریبًا ایک نیل ۶۵ کہرب (۱۶ بلین) میل کے فاصلہ پر ہے، اگر ان ستارون کی روشنی آج کسی سبب سے غائب ہوجاے تو تین سال کے بعد ہمین اسکی اطلاع ہوگی،

گرمیون کی اندہیری رات مین جب بچہ کسیقدر سمجہدار ہوتا ہے تو ان چمکتے جہلملاتے ستارون کو شمار کرنیکی کوشش کرتا ہے، لیکن اسکی کوشش بیکار ہوتی ہے، وہ مان سے جو اسکے نزدیک ہر سوال کا تسلی بخش جواب دینے پر قدرت رکہتی ہے انکی تعداد کی بابت سوال کرتا ہے، اور مان ہون ہان کرکے اس معاملہ کو "عالمانہ" سکوت سے ٹال دیتی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ ہیئت قدیم تو صحت اعداد کے معاملہ مین حقیقت سے بہت دور تہی سوا اسکے کہ لاتعداد، لاتحصیٰ، بے شمار سے انکی تعداد کا پرہیبت اندازہ کیا جائے، تمام قدیم زبانون کے لٹریچر مین ہمیشہ ستارون کی تعداد کو ناقابل شمار ظاہر کیا گیا ہے، اور بہت سی السنہ جدیدہ نے بھی قدما کی تائید مین یہی طرز عمل اختیار کیا ہے، چنانچہ اردو زبان

مین بھی انجم یا ستارہ کا لفظ بے شمار کے معنون مین استعمال ہونے لگا ہے، ڈاکٹر اقبال اپنی مشہور نظم بلال مین "سکندر رومی" کی فوج کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہین،

دنیا کے اس شہنشہ انجم سپاہ کو — حیرت سے دیکہتا فلکِ نیل فام تہا

ہیئت جدیدہ نے اس سمت کافی ترقی کی ہے، دوربین کی ایجاد سے پہلے کل ستارون کی تعداد کا اندازہ محض آٹہہ ہزار کیا گیا تہا، لیکن بہترین دوربینون کی مدد سے یہ تعداد ۱۰ کرور تک پہنچتی ہے، اب فوٹوگراف کے ذریعہ سے جو نقشے شمالی وجنوبی آسمانون، کیونکہ زمین سے شمالی نصف کرہ سے نظر آنیوالے ستارے جنوبی نصف کرہ سے نظر آنیوالے ستارون کے مختلف ہین، کے لئے گئے ہین انھون نے اس تعداد مین بہت بڑا اضافہ کردیا ہے،

پچہلے چالیس سال مین فوٹوگرافی نے ہیئت مین ایک انقلاب پیدا کردیا ہے ان ستارون کا بھی فوٹو لیا گیا ہے، جنکی روشنی ایسی کم تہی کہ پلیٹ پر بلا کئی گہنٹہ کے اثر کے اُن کا فوٹو لینا محال تہا، اس طرح اب ستارون کی تعداد کئی ارب تک پہنچ گئی ہے

ان ستارون کی روشنی کے مختلف مدارج ہین، اسکے لحاظ سے وہ تقسیم کئے گئے ہین وہ ستارے جو دس "روشنی کے سالون" تک کے فاصلہ پر ہین، مشہور ستارے ہین لیکن فضائے آسمانی مین بلحاظ فاصلہ کے دریافت شدہ ستارون کی تعداد مین بھی کمی ہوگئی ہے، مثلاً ۵۰ روشنی کے سالون" کے فاصلہ پر جتنی تعداد ستارون کی دریافت ہوئی ہے اس سے ان ستارون کی تعداد کم ہے، جو ۲۵۰ "روشنی کے سالون" کے فاصلہ پر ہین آسمان کے فوٹوگرافی کے نقشون سے ثابت کیا گیا ہے کہ بعض ستارے ایسے بھی دریافت ہوے ہین جو ۲۳۰۰۰۰ "روشنی کے سالون" کے فاصلہ پر ہین، اس فاصلہ کو میلون مین

ظاہر کرنا فضول ہے، محض یہ یاد دلانا کافی ہے کہ "ایک روشنی کے سال" مین ۵ ۵ کھرب ½ ۵ بلین) میل ہوتے ہین،

ستارون کی زندگی کے مختلف دور ہین، نیلگون روشنی کے ستارے اپنی زندگی کے ابتدائی دور سے گذر رہے ہین، زردی مائل روشنی کے ستارے عالم شباب کے مزے اُٹھا رہے ہین، اور سرخی مایل ستارون پر پیری کے آثار ہویدا ہین، اور وہ ایسے دور سے گذر رہے ہین جسکے بعد انکی ساری چمک دمک مبدل بہ تاریکی ہو جائیگی، اور وہ ہماری دُنیا سے پھر نظر نہ آئین گے، لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ انسان کی یاد مین کوئی ستارہ ان تینون دورون مین سے گذر گیا ہو، کرورون برس مین ایک دور سے دوسرے دور مین ستارے پہنچتے ہین،

ہمارا آفتاب جو اپنی زندگی کے آخری دور سے گذر رہا ہے، زمانہ قدیم مین تمام ستارون کی مملکت کا سرگروہ تصور کیا جاتا تھا، اور چونکہ دوسرے ستارے آفتاب کے سے روشن نہین نظر آتے تھے اسلئے آفتاب کے ماتحت سمجھے جاتے تھے، غالب نے اسی خیال کو یون نظم کیا ہے،

خسرو انجم کے آیا صرف مین　　　شب کو تھا گنجینۂ گوہر کھلا

لیکن اس خیال کا ایک دوسرا سبب بھی تھا، اسقدر بُعد کا خیال قدما مین نہین پیدا ہوا تھا، وہ لوگ ان تمام ستارون کو ٹھوس آسمان یا آسمانون مین جڑا ہوا تصور کرتے تھے، بطلیموس اور اسکے بعد کے ہیئت دانون نے ان خیالات مین بہت کچھ جلا دی، پھر بھی کوئی اصولی تغیر ستارون کے بارہ مین نہین ہوا، جدید تحقیقاتون نے جو عظیم ترین دوربینون اور بہترین سامان فوٹوگرافی کی مدد سے کیگئی ہین، ثابت کر دیا ہے کہ "خسرو انجم" حقیقتاً محض

نو سیارون اور چند دمدار ستارون کا مرکز ہے،

وہ زبردست ستارے، عظمت و ہیبت کے ناقابل قیاس مجسمے جو اس فضاے آسمانی کی خلا مین غیر معمولی سرعت اور انتہائی سکون اور خاموشی سے کسی نامعلوم منزل کی طرف سرگرم سفر ہین، ہمارا آفتاب باوجودیکہ ہماری زمین سے کئی لاکھ گُنا بڑا ہے، اِنکے مقابلہ مین حقیقتاً ایک ذرہ کے برابر ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخران لاتعداد نظامون کے مجموعہ کے بعد کیا ہے؟ یہ منجملہ ان سوالات کے ہے جنکا جواب دینے سے ابتک انسان کی عقل، اسکی معلومات، اور اُسکے کل تجربات قاصر رہے ہین، انکی انتہا کے متعلق اسکے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایک لا تتناہی سلسلہ ستارون یا بالفاظ دیگر آفتابون کا چلا گیا ہے، جنکا قیاس کرنا بھی ہمارے خیالات کو ہیجان مین ڈال دیتا ہے اور اس جگہ ہم اس "قانون کل" کا ہیبت ناک تصور کرتے ہین، جو ان تمام ستارون اور انکے ماتحت سیارون، ان سیارون کی آبادی، انکے جانداروں کے وجود کا راز ہے، یہی جگہ ہے جسکے بعد انسان کی عقل، اسکے تجربات، اسکی علمیت کا زعم اور اسکی معلومات کا گھمنڈ باطل ثابت ہوتا ہے، اور یہین سے "سرحد اعتقاد" یا "ایمان بالغیب" کی ابتدا ہوتی ہے جسکو طے کر کے لوگ مذہب کی مملکت مین داخل ہوتے ہین،

ہماری داستان ابھی ختم نہین ہوئی، ستارون کے اس سارے قصہ کو بیان کرنیکے بعد اگر یہ نتیجہ نکالا جاے تو بیجا نہوگا کہ ممکن ہے یہ ستارے[1] بھی ہمارے آفتاب کی طرح اپنے نظامون کے مرکز ہون، انکے ماتحت بھی بہت سے سیارے ہون اور کون کہہ سکتا ہے کہ ویسے ہی تغیرات کے زیر اثر رہ کر جنھون نے ہماری زمین پر عمل کیا تھا، ان سیارون مین

[1] ہم اپنے آیندہ مضمون مین اس بحث پر علماء ہیئت کی راے سے ناظرین معارف کو مطلع کرینگے،

بھی جاندار مادہ کا وجود نہین، ہان یہ ممکن ہے کہ وہ جاندار مادہ اس دنیا کے جانداروں کے مشابہ نہو، اب ذرا غور کیجئے کہ لاتعداد آفتاب اور انکے لاتعداد سیارے اور انکی ناقابل قیاس آبادی، ان نتائج تک پہنچنا، تخئیل کی انتہائی بلند پروازی اور قیاس کی رفیع ترین پرواز ہے،

اجرام فلکی کی گردش کے متعلق بہت سی تحقیقاتین ہوئی ہین، لیکن ان مین سے دو خاص طور سے قابل ذکر ہین، ستارے جیسا کہ پہلے خیال تھا ساکن نہین، محوری گردشون کے علاوہ تمام ستارے بلحاظ سمت گردش دو گروہون مین تقسیم ہوسکتے ہین، دونون گروہ ایک دوسرے سے مختلف سمت کو گردش کرتے ہین، ہر ایک ستارہ ان دونون گروہون مین سے کسی ایک مین شامل ہے، ستارون کے اس سفر کی ابتدا کہان سے ہوئی، اور اُن کی منزل مقصود کیا ہے؟ اسکا کوئی جواب ہمارے پاس نہین،

اسپکٹر اسکوپ ایک آلہ ہے جسکو "آلۂ گردش نما" کہنا چاہیئے، اس سے روشنی دیکھکر ستارون کی حرکت اور انکی سمت وغیرہ معلوم کیجاتی ہے، ولیغہ (Vega) نامی ستارہ کی روشنی کو اس آلہ سے جانچا گیا، علماء ہیئت اس نتیجہ پر پہنچے ہین کہ ہمارا آفتاب مع اپنے ذریات کے اس ستارہ کی جانب جا رہا ہے، یہ صحیح ہے کہ ولیغہ ہم سے نیلون (نیل = بلین = ملین ملین) میل دور ہے، لیکن رفتار جس سے آفتاب سرگرم سفر ہی "دنیاوی" لحاظ سے زیادہ ہے، یعنی ۱۹ میل فی سکنڈ یا قریب قریب ۶۰ کرور میل سالانہ، یہ تباہ کن نتائج پیدا کرنیوالی رفتار اِسلئے ابھی خطرناک نہین کہ ولیغہ ہم سے بہت ہی دور ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ فضائے آسمانی مین آفتاب کی حرکت دوسرے ستارون کی کشش کے باعث کچھ اس طرح بدلجائے کہ ہمارے آفتاب کا سفر اس منحوس دن کو نہ دیکھے

جب ولیغہ اور ہمارا آفتاب برسرِ پیکار ہون اور دونون کی گرما گرمی مین ہماری ذرا سی زمین بھی گیہون کے گھن کی طرح نیست و نابود ہوجائے،

غیر مناسب نہوگا اگر اس جگہ اس نئے نظریہ کا سرسری ذکر کیا جائے جو نظام کائنات کو ایک نئے ڈھنگ سے پیش کریگا، اب تک یعنی ۱۹۱۵ء سے پہلے سر ایزک نیوٹن کا یہ نظریہ کہ روشنی خطِ مستقیم مین حرکت کرتی ہے، مسلمہ اور تسلیم کردہ نظریون مین سے تھا لیکن جرمنی کے مشہور ریاضی دان آئنسٹن نے سب سے پہلے ۱۹۰۵ء مین اور اس کے بعد ۱۹۱۵ء مین اپنا یہ دعوی پیش کیا کہ روشنی پر بھی قانون کشش کا اثر پڑتا ہے، اگرچہ ۱۹۱۹ء سے پہلے بہت کم لوگ اس خیال کو کچھ بھی اہمیت دیتے تھے، تاہم ہیئت دانون کو فکر دامنگیر ہوئی کہ کسی نہ کسی طرح اس خیال کی تائید یا تردید کرنی چاہیئے چنانچہ یہ معلوم کرکے کہ مئی ۱۹۱۹ء کو جنوبی امریکہ اور شمالی افریقہ مین کسوف کامل ہونیوالا ہے، برٹش اسٹرانومیکل سوسائٹی کی جانب سے دو مشن روانہ کئے گئے، ایک برازیل (جنوبی امریکہ) دوسرا شمالی افریقہ کے مغربی ساحل پر ایک جزیرہ مین، وقت معینہ پر جب آفتاب مین پورا گہن پڑا تو دونون جگہون آسمانون کے نقشے لئے گئے، اور بعد کو ان نقشون سے اُن نقشون کا مقابلہ کیا گیا جو ایسے وقت سے لئے گئے تھے جب آفتاب درمیان مین حائل نہ تھا، دونون کے مقابلہ سے معلوم ہوا کہ پہلے نقشون کی بہ نسبت بعد کے نقشون مین ستارے آفتاب کی سمت کو کسیقدر دبے ہوئے تھے، پہلے نقشون مین روشنی بلا کسی روک ٹوک کے ہم تک آئی تھی، لیکن بعد کے نقشون مین روشنی چونکہ آفتاب کے قریب سے گذری اِسلئے کسیقدر اسکی کشش کے زیر اثر آفتاب کی جانب خطِ منحنی بناتی ہوئی دب گئی، مثال سے یہ بات پورے طور پر ذہن نشین ہوسکتی ہے،

نقشۂ ذیل مین ا وہ جگہ ہے جہان ایک ستارہ معمولی نقشون مین ملتا ہے، لیکن ب
وہ جگہ ہے جہان روشنی کی آفتاب کی جانب کشش کے سبب مئی سنہ ۱۹ کو لئے ہوے نقشون
مین وہی ستارہ ملتا ہے،

ب ×
× ا
قوس شمس
د
زمین
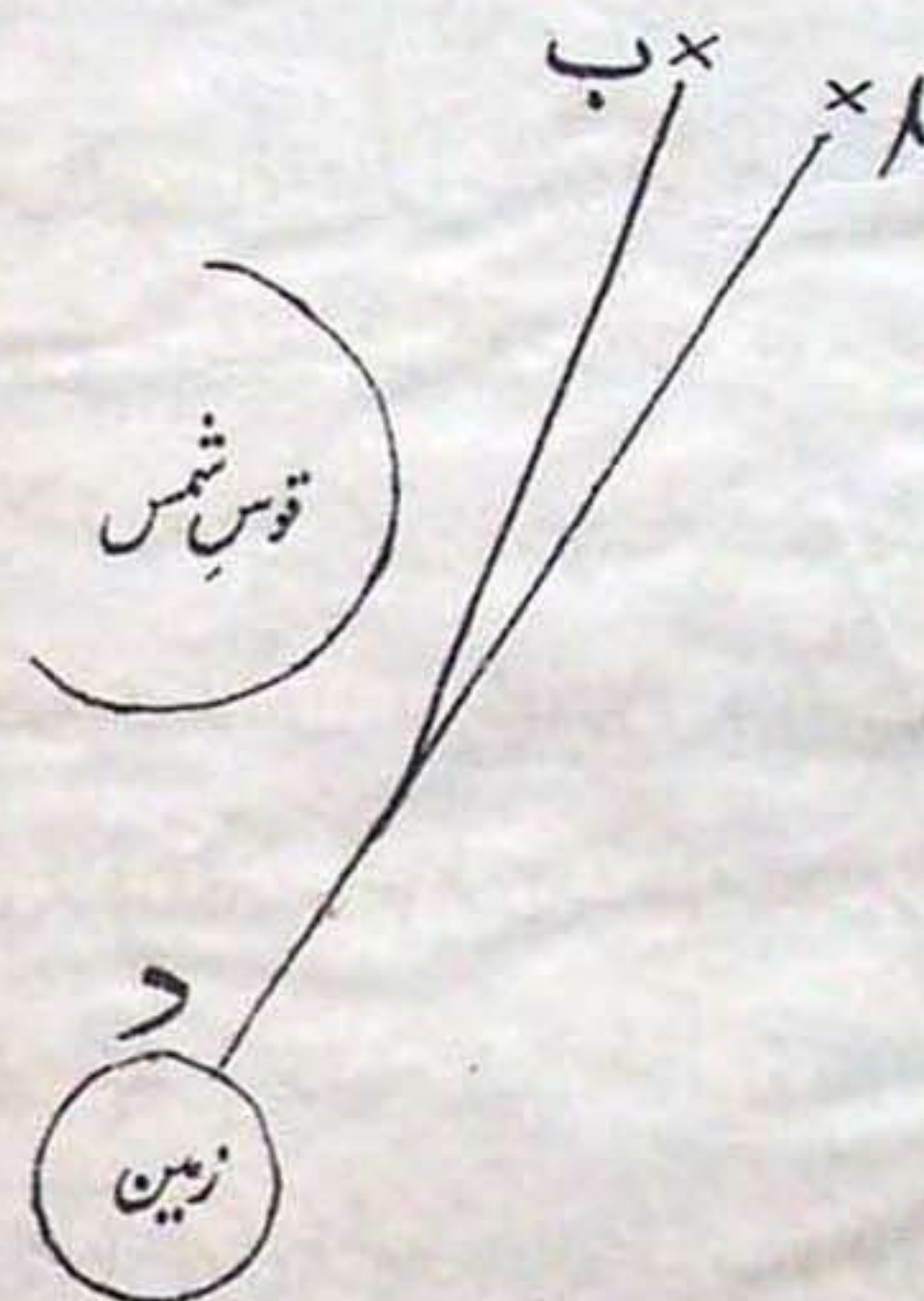
د وہ مقام ہے جہان اس منظر کے نقشے لئے گئے تھے، آئنسٹن کے نظریہ کی اس علمی
تائید نے دنیاے جدید مین ایک تہلکہ ڈالدیا، اور گذشتہ جون سے لیکر دسمبر تک ولایتی
اخبارات اس جدید تغیر کے نتائج اور خوش آیند توقعات پر قلم فرسائی کرتے رہے،

تلخیص و تبصرہ

اسلام بطور عالمگیر مذہب کے

خواجہ کمال الدین سالہا سال سے اشاعت اسلام کی جو سرگرم کوششین عمل مین
لا رہے ہین، اور غیر اقوام کے سامنے تبلیغ اسلام جن بہترین صورتون کے ساتھ فرما رہے ہین
انکا اعتراف ہر منصف مزاج شخص پر لازم ہے، چند ماہ ہوے انھون نے جنوبی ہند کا دورہ
کیا تھا، اور اس دورے مین جا بجا انھون نے اپنی مجوزہ "انجمن مذاہب" کے مقاصد کی بھی
تشریح کی تھی، اس سلسلہ مین ایک لکچر انھون نے "پیام اسلام" کے عنوان سے دیا تھا جسکی
تلخیص درج ذیل ہے:-

خواجہ صاحب نے آیۂ کریمہ قُل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃٍ سواءٍ بیننا و بینکم ان لا نعبد
الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ کی تلاوت کرکے بیان
کیا کہ اخوت عامہ کا یہ وہ پیام ہے جو آج تیرہ سو برس ہوے اسی نبی کی زبان سے ادا ہوا تھا
جو ان انبیاے کرام کے سلسلہ کی آخری کڑی تھی، جو خدا کی طرف سے ہر ملک اور ہر زمانہ مین
اس غرض سے مبعوث ہوتے رہے ہین کہ نسل انسانی کے تنازعات و اختلافات کو مٹا کر
ان مین اتحاد و یکجہتی پیدا کرین، اور مین آج اس پیام کو پھر اسلام کی جانب سے پیش کرنیکو
حاضر ہوا ہون، آپ حضرات مین سے جو لوگ وید کو کلام ربانی تسلیم کرتے ہین اور ہندوستان
کے رشیون کی اولاد مین ہین، جو لوگ یہودی ہین، یا عیسائی ہین، یا اور کسی الہامی مذہب کے
قائل ہین، مین انکی خدمت مین عرض کرتا ہون کہ آئیے ہم آپ سب مل کر ایک امر پر متحد

هو جائین اور وه یه که هم سب خدائے واحد هی کی پرستش کرین، هم سب مل کر ایک مشترک
معبد بنائین جهین سب ایک هی برتر معبود کے آگے سر جهکائین،

حضرات، آپ یه اندیشه نکرین که مذاهب و ملل کے اس تعدد و تنوع کے زمانه مین
اتحاد و یکرنگی کی کوششین کیونکر بار آور هوسکینگی، ترقی نام هی تعدد و تنوع کا هے، فطرت نے
اپنے قدم آگے بڑهانے کا راسته یهی رکها هے، تخم ایک واحد و غیر منقسم شے هوتی هے لیکن
اسکے ارتقاء کے معنی هی یه هین که اسمین کلّے پیدا هون، شاخین هون، ٹهنیان هون، پهول
هون، پتیان هون، ڈنٹهل هون، پهل هون، نطفه اپنی ابتدائی حالت مین نسبتهً ایک
مفرد و بسیط شے هوتا هے، لیکن جنین کی حالت مین اسمین کتنے نئے نئے اجزا پیدا هونے
لگتے هین، اس قانون کی بیشمار مثالین هین، اور جمادات، نباتات، حیوانات، هر جگه
یهی قانون اپنا عمل کرتا هوا نظر آتا هے،

انسان کی اجتماعی زندگی بهی اس کلیه سے مستثنی نهین، وحشی قبائل مین هر فرد خود اپنی
ضروریات کا کفیل رهتا هے، لیکن جون جون تمدن و تهذیب کے قدم آگے جاتے هین
تقسیم عمل شروع هونے لگتی هے، یهانتک که کچھ روز مین مختلف پیشے، صنائع، اور مشاغل
پیدا هو جاتے هین، دیهات اور قریے بڑهتے بڑهتے شهر هو جاتے هین، شهرون کا اجتماع
ملک و سلطنت کی شکل حاصل کر لیتا هے اور مختلف ممالک ملکر بر اعظم بنجاتے هین،

پس مذاهب کے تنوع و تعدد سے گهبرانے کی کوئی وجه نهین، یه تو عین ترقی و نمو
کی علامت هے، خود همارے پیمبر نے اختلاف امت کو "رحمت" سے تعبیر کیا هے، البته
اصل سوال یه هے که ان مین باهم رابطهٔ اتحاد کیونکر پیدا کیا جائے، اسکے جواب مین همین
ان اصول کو ملحوظ رکهنا چاهیئے، جنکے ماتحت ارتقاء کائنات کی رفتار جاری هے اگر

تخم کی حالت سے درخت بننے کے منازل کو پیش نظر رکها جائے تو حسب ذیل مراتب
هفت گانه معلوم هونگے:-

(۱) سارے نظام شجری کی اصل ایک شے، تخم هوتی هے،

(۲) اس سے کلّے پهوٹتے هین،

(۳) تمام شاخین جڑ کی ماتحت و محکوم رهتی هین،

(۴) هر شاخ دوسری شاخ کا مستقل و علحده وجود تسلیم کرتی رهتی هے،

(۵) هر شاخ ایک دوسرے سے منتفع هوتی رهتی هے،

(۶) کوئی شاخ ایک دوسرے کی بربادی کے درپے نهین رهتی،

(۷) درخت کا وجود و قیام، اسکے تمام مختلف اعضا کا مشترک مقصد رهتا هے،

هر مفرد و بسیط شے کو مرکب حالت تک تبدیل هونے اور هر شے کو کمال نمو تک پهنچنے
مین انهی منازل هفت گانه سے هو کر گذرنا پڑتا هے، مادیات و جسمانیات، نفسیات و
روحانیات، اخلاقیات و سیاسیات، غرض هر شعبهٔ موجودات مین یهی قانون عامل هے
اور دنیا کو ایک مرکز پر لاتے هین، اگر کبهی بهی کامیابی هوسکتی هے تو انهین قوانین سبعه کی پابندی
و رعایت کے ساتھ،

اصول بالا مین سے اصول چهارم، جسکا مفهوم رواداری یا ایک دوسرے کی هستی کے
اعتراف و احترام کا هے، اتحاد مذاهب کی راه مین سب سے زیاده دشوار نظر آتا هی، هر مذهب
صرف اپنے تئین سچا قرار دیتا هے اور دوسرون کو گمراهی و ضلالت کے مرادف تسلیم کرتا هے،
لیکن اسلام کی تعلیم اس دشواری کا نهایت صحیح حل پیش کرتی هے، اسلام سے پهلے تمام
مذاهب صرف اپنے تئین حامل حق اور دوسرون کو جادهٔ ضلالت قرار دیتے تهے، اور یهی صدا

آج بھی ہر غیر اسلامی حلقہ سے آرہی ہے کہ نجات صرف اسی کے مخصوص عقائد کے اندر محدود ہے حالانکہ منافع مادی کے جتنے اصلی مراکز ہین، مثلاً چاند اور سورج، آسمان و زمین، ستارے اور بادل، ہوا اور پانی، انکی فیض رسانی سے کسی فرقہ و عقیدہ کے لوگ محروم نہین، انکی نفع رسانی جملہ مخلوقات کے لئے یکسان و مشترک ہے، تو کیا قدرت کا بخل صرف نجات رُوح کے بارہ مین ہے؟ کیا فیوض روحانی بہ نسبت منافع مادی کے غیر اہم ہین؟

قرآن سب سے پہلی کتاب ہے جس نے اس خطرناک غلطی کو مٹایا، اسکی پہلی ہی آیت نے دنیا کو اسکی تعلیم دی کہ خدا تعالے کسی مخصوص ملک، فرقہ، قوم، یا قبیلہ کا خدا نہین بلکہ رب العالمین یعنی جملہ موجودات کا پروردگار ہے، تنہا عرب و عراق، مصر و شام، یورپ و امریکہ کا نہین، اخوت عامہ کا یہ درس قرآن مین بار بار تاکید و تصریح کے ساتھ ملتا ہے، مثلاً یہ کہ "ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہے"[1] "ہر جماعت کے لئے ایک رسول ہے"[2] "کوئی طبقہ انسانی ایسا نہین جسمین خدا کی جانب سے ڈرانے والا نہ بھیجا گیا ہو"[3] و قس علی ہذا۔

حضرات، یہ اس کتاب کی تصریحات ہین جسے اُسکے مخالفین تعصب و عدم رواداری کا سرچشمہ بتاتے ہین، مین آپ سے عرض کرتا ہون کہ اس فراخدلی و رواداری کی نظیر اگر دنیا کی کسی اور الہامی کتاب مین مل سکتی ہو تو پیش کیجاے، یہ قرآن اور محض قرآن ہی کی تعلیم کا اثر ہے، جسکی بنا پر مین آپکے سامنے یہ کہنا چاہتا ہون کہ جس طرح میرا ایمان قرآن پر ہے اسی طرح مین غیر محرف انجیل و وید کو بھی کلام الٰہی مانتا ہون، اور جس طرح مین موسیٰ کو رسول برحق مانتا ہون، اُسی طرح یہ عقیدہ رکھتا ہون کہ کرشن و رامچندر بھی خدا ہی کے فرستادہ پیامبر ہین جو سرزمین ہند پر بشیر و نذیر کی حیثیت سے بدی کو کچلنے اور نیکی کو اُبھارنیکے

۱ لکل قوم ہاد ۲ و لکل امۃ رسول ۳ وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر۔

لئے مبعوث ہوئے تھے، اور جس بحر معرفت سے مسیح ابن مریم سیراب تھے، اُسیکے جرعہ نوش زرتشت بھی تھے، تاکہ ایران مین آتش حق پرستی کو شعلہ زن کرین، اور انہین چند نامون پر موقوف نہین، دنیا مین جہان کہین انسانی آبادی کا وجود رہا ہے، وہان کوئی رسول یا پیمبر بھی ضرور بھیجا گیا ہے، جہان کہین ظلمت رہی ہے وہان نور بھی پہنچایا گیا ہے، اور مین یہ جو کچھ کہہ رہا ہون میری ذاتی راے نہین، قرآن کی صاف و واضح تعلیم ہے:-

قولوا آمنا باللہ وما اُنزل الینا وما اُنزل الی ابرٰہیم و اسمٰعیل و اسحاق ویعقوب والاسباط وما اُوتی موسیٰ وعیسیٰ وما اوتی النبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم ونحن لہ مسلمون۔ (سورہ بقر آیت ۱۳۶)

جسکے لحاظ سے مسلمان پر ہر نبی کو برحق سمجھنا واجب ہو جاتا ہے، اور اس طرح اصول متذکرہ بالا مین چوتھے اصول کی منادی جس جامعیت سے قرآن کرتا ہے، اسکی نظیر دنیا کے مذہبی لٹریچر مین مجھے نہین ملتی، اور مسلمان نہایت کشادہ دلی سے ہر دوسرے مذہب و ملت کا احترام کرنے کے لئے آمادہ رہتا ہے،

اصول رواداری کے علاوہ ارتقاء کائنات کے باقی چھ اصول کو ایک بار پھر پیش نظر کرلینا چاہئے،

(۱) اتحاد اصل،

(۲) انشقاق و انشعاب،

(۳) مرکزیت و مرجعیت اصل

(۴) باہمدگر نفع رسانی

(۵) عدم ضرر رسانی

(۷) متحد اغراض کے لئے اشتراک عمل،

اب دیکھئے کہ قرآن ان مین سے ہر اصول کی کیسی صریح و پر زور تائید کرتا ہے، نمبروار ایک ایک اصول کو لیجئے :-

(۱) پہلا عنوان اتحاد اصل کا ہے، یعنی سب کا مبدأ اور سب کی اصل ایک ہی ہے، قرآن کا ارشاد ہے، قُلْ اَتُحَاجُّوْنَنَا فِی اللّٰہِ وَھُوَ رَبُّنَا وَرَبُّکُمْ (بقر، آیت ۱۳۹) جسکے صاف معنی یہ ہین کہ خدا تو سب کا معبود ہے، پھر اہل مذاہب کیون باہم مخالفت و منافشہ مین مشغول رہتے ہین؟ ضمنی و فرعی مسائل مین کتنے ہی اختلافات ہون، پھر بھی سب کا اصلی مبدا ذات باری ہی ہے،

(۲) دوسرا اصول، اسی پہلے اصول کی تفریع ہے، ارشاد ہوتا ہے :- کان النَّاس اُمۃً واحدۃً فبعث اللّٰہُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ وَاَنْزَلَ مَعَھُمُ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ (بقر، آیت ۲۱۳) اسکا کہلا ہوا مفہوم یہ ہے کہ تمام نوع انسانی گویا ایک ہی خاندان تہا جو رفتہ رفتہ مختلف شعوب و قبائل مین تقسیم ہوتا گیا، اور ہر ایک کی ہدایت کے لئے جدا جدا انبیاء مبعوث ہوتے رہے اور اس بنا پر کسی مذہب کو باطل نہین کہا جا سکتا، بلکہ سب ایک ہی منزل مقصود کی طرف لیجانے کی مختلف راہین ہین،

(۳) تیسرا اصول مرکزیت اصل کا ہے، اس باب مین فرمان خداوندی ہے :- یا اہل الکتاب تعالوا الی کلمۃٍ سواءٍ بیننا وبینکم ان لا نعبد الا اللّٰہ ولا نشرک بہ شیئاً (یعنی ہر صورت مین اور ہر پیرایہ سے معبود واحد ہی کو جو سب کی اصل ہے) مانتے رہنا چاہیئے،

(۴) چوتھے اصول سے متعلق قرآن کی تصریحات تفصیل سے اوپر گذر چکی ہین کہ ہر قوم اور ہر ملک مین انبیاء برحق پیدا ہوتے رہے ہین، اور کوئی نبی جھوٹا نہین،

(۵) اصول پنجم کا عنوان باہدگر نفع رسانی و نفع یابی کا ہے، اسکے بابت ہمارے پیمبر صلعم کی تاکید ہے کہ دانائی کی بات مسلمان کی گم شدہ دولت ہے، وہ جہان کہین بھی ملے اسے حاصل کرنا چاہیئے، الحکمۃ ضالۃ المومن فخذوھا حیث وجدتموھا یہ اسی تعلیم کا اثر ہے کہ مین نے بلکلف انجیل و دید سے فائدہ اٹھاتا ہون، اور آپ حضرات سے استدعا کرتا ہون کہ آپ بھی قرآن کے مطالعہ سے مستفید ہون،

(۶) چھٹا اصول عدم مخالفت و ضرر رسانی کا ہے، اس باب مین قرآن کی تصریح ہے کہ جو لوگ شرک مین گرفتار ہین، انہین سب و شتم سے نہ یاد کرو، ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللّٰہ - (انعام، آیت ۱۰۹)

(۷) آخری عنوان، مقصد اصلی کے لئے اشتراک عمل کا ہے، اس باب مین مجھے جیسی تصریح قرآن مین ملتی ہے، دنیا کی کسی دوسری الہامی کتاب مین نہین ملتی، مین نے دوسرے مذاہب کی کتب مقدسہ کا مطالعہ کمال بے تعصبی کے ساتھ خالی الذہن ہو کر کیا ہے، لیکن مجھے ان مین ایسے متعدد احکام ملے جو مسائل اسلام و مقتضیات عقل کے خلاف ہین، اور یہ اس امر کی بین دلیل ہے کہ ان مین تحریف ہوئی ہے، اور قرآن نے انکے محرف ہونے کے بابت تیرہ سو برس ہوئے جو دعوی کیا تہا وہ بالکل صحیح ہے، مذاہب کے وجود مین آنے کا اصلی مقصد جو قرآن نے بتایا ہے یہ ہے :- "ہم نے تمکو اسلئے پیدا کیا ہے کہ نوع انسانی کی خدمت کرو، نیکیون کی تلقین و ہدایت کرتے رہو، برائیون سے ڈراتے رہو، اور خدائے واحد کو مانتے رہو"۔

حضرات، مین آپکی توجہ خاص طور پر مقصد حیات انسانی کی جانب منعطف کرانا چاہتا ہون جو یہ ہے کہ مسلم کی زندگی صرف خدمت خلق کے لئے ہے، یہ میرے ہاتھ، میری آنکھین، میرے کان، اور یہ تمام اعضا و جوارح صرف اسی مقصد خدمت خلق کیلئے ہین، میری زندگی محض ایک امانت الٰہی ہے جسکا مقصد دوسرون کی خدمت ہے، خود پیمبر صلعم کو یہ کہنے کا ارشاد ہوا کہ

"میری عبادت، میری قربانی، میری زندگی سب کچھ خداے رب العلمین کے لئے ہے"

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ - (انعام - آیت ۱۶۲)

غرض قرآنی عقیدہ کے رُو سے میری بیداری و خواب، میرا خورد و نوش، میری نماز و عبادت سب کچھ خدا، یعنی خدمتِ خلق کے لئے ہے،

یہی وہ اصول ہفت گانہ ہین، جنکی بنا پر اتحاد و اتفاق کی استوار عمارت قائم ہوسکتی ہے

مین آپ سے صحیح عرض کرتا ہون کہ اسوقت جو مخالفت و منافرت کے شعلے اُٹھہ رہے ہین اُن سب کی تہ مین یہی مذہبی اختلافات کام کررہے ہین، اور یہ مذہبی اختلافات نتائج ہین اس تحریف کے جو مذاہب مروجہ مین واقع ہوگئی ہے، اس مخالفت کو دور کرنیکا طریقہ صرف یہ ہے کہ ہم سب ایک نقطہ پر متحد ہوجائین، اور وہ نقطہ توحید الٰہی کا ہے، ہندوستان جو مختلف ادیان و مذاہب کا گہوارہ ہے وہان اس اتحاد کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، اور اس مقصد کے حصول کی بہترین تدبیر یہ ہے کہ ہم سب خدا کی وحدانیت کا اقرار کرین اور سری رامچندر، سری کرشن، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، اور حضرت محمدؐ تمام انبیاء برحق کو تسلیم کرین، آج سے نصف صدی اُدہر ہندو و مسلمان باہم شیر و شکر تھے، مسلمانون کے لڑکے اپنے والد کے ہندو دوستون کو اپنا باپ، اور ہندوؤن کے لڑکے اپنے والد کے مسلمان دوستون کو اپنا پتا کہکر پکارتے تھے، کیا آپ لوگ اس زمانہ کو بھول گئے ہین؟ اور جب مادی و دنیوی حیثیت سے آپ لوگ دوسرے مذاہب والون کو مرتبۂ پدری پر رکھدیتے تھے تو روحانی حیثیت سے یہ رشتۂ قرابت تسلیم کرلینے، یعنی دوسرون کے پیمبر کو اپنا پیمبر قرار دے لینے مین آخر کیا قباحت ہے؟

مین جو انجمن اتحاد مذاہب قائم کرنا چاہتا ہون، اسکے شرکت کے لئے ارکان سے معاہدۂ ذیل پر دستخط چاہتا ہون:-

"مین خداے تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرتا ہون اور اسکی الوہیت مین کسی اور کو شریک نہین کرتا،

مین سری رامچندر، سری کرشن، گوتم بدھ، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت محمدؐ کو انبیاء برحق تسلیم کرتا ہون،

مین جملہ مذاہب کی کتب مقدسہ پر انکی غیر محرف حالت مین کتب الہامی ہونے کا اعتقاد رکھتا ہون، اور قرآن کو وحی الٰہی کا خاتم سمجھتا ہون، مین دوسرے مذاہب کو بُرا کہنے سے باز رہنے کا عہد کرتا ہون"

سب سے پہلے مین خود اس اقرار نامہ پر دستخط کرنیکو حاضر ہون، اور اگر آپ لوگ بھی اسپر آمادہ ہون تو مین اپنی جانب سے دس ہزار افراد کی شرکت کی ذمہ داری کرتا ہون،

خواجہ صاحب کے اس لکچر کے بعد صدر نشین جلسہ مسٹر سی، بی، راما سوامی آیر بی، اے بی، ایل نے جو مدراس کے نہایت ممتاز و ذی علم وکیل ہین، اپنی تقریر مین خیالات ذیل کا اظہار کیا،

"اسلام کی یہ خصوصیت میری نظر مین ہمیشہ سے رہی ہے کہ یہ مذہب فطرت بشری کے متناقض خصوصیات کا جامع ہے، یہ مذہب ایک طرف تو ہمت و اقدام عمل کا معلم ہے اور دوسری طرف غور و فکر و مراقبہ کا داعی ہے، اسلام کی اس امتیازی خصوصیت کے شواہد نہ صرف تعلیم اسلام، بلکہ شارع اسلام، پیمبر اعظم کی زندگی مین بھی بکثرت ملتے ہین، وہ ایک طرف پوری طرح عملی زندگی مین مشغول تھے، اور دوسری طرف معرفت و خداشناسی مین منہمک تھے؛ فاضل لکچرار کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کی دعوت، یکجہتی و اتحاد، امن و رواداری کی دعوت ہے، اس بارہ مین میرا اور لکچرر صاحب کا مذہب بالکل متحد ہے، وہ جسوقت اپنے

دعادی کی تائید مین آیات قرآنی پڑھ رہے تھے، میرے ذہن مین بھی اپنشد کا یہ فقرہ آیا کہ صداقت
صداقت ہے، اور وہ صرف ایک ہی ہے، البتہ مختلف علما اُسکو مختلف پیرایون مین بیان
کرتے ہین" اپنشد کی بھی تعلیمات کا ماحصل یہی ہے کہ خدارسی کی منزل ایک ہی ہے، البتہ اسکے
راستے بیشمار ہین، اور ہر شخص اور ہر قوم کو اسکے مذاق، اور اُسکے سطح دماغی کے تناسب ہدایت
ربانی ملتی ہے، ہر اوتار (مظہر خدا) کی پیدائش کا مقصد یہی رہا ہے کہ وحدت باری و اتحاد
انسانی کا درس دنیا کو دیا جاے، مین ندامت کے ساتھ اعتراف کرتا ہون کہ فاضل مقرر نے
جسوقت اسلام کی آزادانہ تعلیمات کا ذکر شروع کیا، معاً میرا ذہن قتل وجہاد کی طرف منتقل
ہونے لگا، لیکن تھوڑی ہی دیر مین مجھے اپنی غلطی معلوم ہوگئی، اور یہ نظر آنے لگا کہ اسلام کی دعوت
دیگر مذاہب کی طرح توحید باری ہی کی دعوت ہے، مین اپنے اس تصحیح خیال کے لئے مقرر کا
ممنون ہون، موصوف نے آخر مین اتحاد مذاہب کا جو نسخہ بتایا ہے، یعنی تمام ہادیان عالم کو
انبیاء برحق تسلیم کیا جائے، اور ہندو حضرت محمد اور حضرت عیسیٰ کی رسالت کا اقرار کرین،
اسکی بابت مین ہندوؤن کی طرف سے انکو پورا اطمینان دلانا چاہتا ہون کہ ہندوؤن کو یہ تسلیم
کرنے مین مطلق تامل نہین ہوسکتا، ہمارے ہان کی خود ہی یہ تعلیم ہے کہ تمام مذاہب راہِ حق
دکھاتے ہین اور کسی کو بُرا کہنا ناواجب ہے"

(اسلامک ریویو، و نیو انڈیا)

اخبار علمیۃ

کچھ روز ہوے لفٹننٹ جنرل سر آرنلر پیجٹ نے رایل جیوگرافیکل سوسائٹی (لندن) کو
دنیا کا ایک نقشہ تحفۃً پیش کیا ہے جو دو نصف کرون کی شکل مین ہے، اور جو ہالینڈ مین
سترہوین صدی کے وسط مین تیار ہوا تھا، اس نقشہ کا ایک نسخہ برٹش میوزیم مین پیشتر سے
موجود ہے، مگر وہ جا بجا سے ناقص ہوگیا ہے، بخلاف اسکے یہ نسخہ ہر طرح صحیح و سالم ہے،
اس نسخہ کی پشت پر کرمچ چڑھی ہوئی ہے، اسکا طول ۱۰ فٹ اور عرض ۶ فٹ ہے اور
ہر نصف دائرہ کا قطر ۶ فٹ ۱۰ انچ ہے، علمائے فن جغرافیہ کی راے مین یہ نقشہ اپنے
زمانہ کی بہترین صنعت ہے،

مشہور محقق و مکتشف سینیر مارکونی نے ایک اطالوی رسالہ مین ایک ایسی ایجاد کی
پیشین گوئی کی ہے جس سے لاسلکی تارون کے موجودہ نظام مین ایک عظیم الشان تغیر پیدا
ہوجائیگا، اسوقت لاسلکی پیامات خط مستقیم مین سفر نہین کرسکتے، اسلئے اُنکے واسطے پیچدار
راستے بنانا ہوتے ہین، آیندہ اسکی ضرورت باقی نرہیگی، بلکہ ہر لاسلکی پیام ایک ہی وقت
مین براہِ راست تمام اقطاع ارض مین موصول ہوسکیگا، اور اسوقت موسم کی خرابی سے
پیامات کے سمجھنے مین جو غلطیان واقع ہوجاتی ہین انکا امکان تک نہ باقی رہیگا، اس
ایجاد کے مکمل ہوجانے پر صرف ایک بٹن کے دبانے سے ہر حصۂ زمین سے فوراً سلسلۂ
نامہ و پیام قائم ہوجائیگا، اور گراموفون کی جسامت کے مساوی ایک مشین کی مدد سے

تمام دنیا کے معلومات حاصل ہونے لگین گے،

ایک جگہ پر ساکن کھڑے رہنے کی حالت مین ہمارا جتنا وزن ہوتا ہے، اس سے اسوقت کم ہوجاتا ہے، جب ہم ٹھیک مغرب کی جانب حرکت کرتے ہوتے ہین، وزن مین اس تخفیف و اضافہ کی تعداد بیشک بہت ہی قلیل ہوتی ہے تاہم کچھ نہ کچھ ہوتی ضرور ہے ایک ماہر ریاضیات نے حال مین حساب لگایا ہے کہ ایک متوسط الجسم انسان جسکا وزن، ساکن کھڑے ہونے کی حالت مین ایک من ۲۵ سیر ہے، وہ جب ڈہائی میل فی گہنٹہ کی رفتار سے مشرق کی جانب حرکت کرتا ہے تو اسکا وزن ۱۴۰۱۳۴۳ ۱/۶ آونس گھٹ جاتا ہے، اور جب رفتار مذکور سے مغرب کی جانب حرکت کرتا ہے تو اسیقدر بڑھجاتا ہے گردش ارض مغرب سے مشرق کی رخ ہوتی رہتی ہے، اور اگر زمین مین قوت کشش نہوتی تو انسان کے لئے ساکن کھڑا رہنا ناممکن ہوتا، بلکہ فی گہنٹہ تقریباً ایک ہزار میل کی شرح سے وہ فضا مین جا پڑتا،

ایک یورپین رسالہ لکھتا ہے کہ دنیا کے مشہور ترین منارے حسب ذیل بلندیان رکھتے ہین:

ایفل ٹاور (پیرس) ۹۸۴ فٹ

الم کتھڈرل ۵۳۲ "

کولون کتھڈرل (کولون) ۵۱۲ "

روین کتھڈرل (روین) ۴۸۳ "

سینٹ نکولس (ہمبرگ) ۴۸۰ "

سینٹ پیٹرز کتھڈرل (روما) ۴۴۰ فٹ

سالسبری کتھڈرل ۴۰۴ "

سینٹ پال کتھڈرل (لنڈن) ۳۶۵ "

سینٹ پیٹرک کتھڈرل (نیویارک) ۳۲۵ "

اخبارات مین اس قسم کی خبرین وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہتی ہین، کہ فلان مقام پر خون کی بارش ہوئی، ایک انگریزی رسالہ لکھتا ہے کہ تاریخ مین خونی بارش کا ذکر سب سے پہلے ۲۲۲ھ مین ملتا ہے، اس زمانہ کے رومی مورخین لکھتے ہین کہ متصل تین دن تک خون آلود خاک کی بارش ہوتی رہی، اور جسوقت ابر ہٹ جاتا تھا، آفتاب ایک دریائے آتشین مین غرق نظر آتا تھا" اسکے بعد ۲۲۶ھ کا ایک اطالوی مصنف لکھتا ہے کہ ملک شام مین اس سال جتنی برف گری وہ پگھلنے کے بعد خون کی شکل مین تبدیل ہوگئی، اور تمام سڑکون پر اسی خون کی ندیان بہنے لگین، اور اس خون کی تاثیر یہ تھی کہ جو شے اس سے مس ہوجاتی تھی وہ بھی سرخ ہوجاتی تھی، پھر ۱۳۳۶ھ کے تذکرون مین یہ مندرج ہے کہ "اس سال جنوبی اٹلی کے سارے علاقہ مین متواتر تین شبانہ روز خون کی بارش ہوتی رہی" اسکے بعد تاریخ کی شہادت یہ موجود ہے کہ ۱۳۶۱ھ مین برگنڈی مین بارش خونین ہوئی، اسوقت اس واقعہ کو ظہور قیامت کی علامت قرار دیا گیا، ملاہی و ملاعب کا سدباب ہوگیا، لوگ توبہ، استغفار مین مصروف ہوگئے، ابائے کلیسا دعائین مانگنے لگے، اور علمائے حکمت و طبعیات بھی دنگ ہوکر رہ گئے، یہانتک کہ بالآخر ایک سائنس دان نے اس واقعہ کی توجیہ یہ کی کہ محاربات صلیبی کے کسی شہید کا خون بذریعۂ بخارات آسمان تک پہنچ گیا تھا

اور وہان سے بارش کی صورت مین پھر دنیا مین منتقل ہو رہا ہے، یہ توجیہ آج مضحکہ خیز سمجھی جائیگی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ موجودہ علماء سائنس بھی کوئی معقول وتشفی بخش توجیہ ابتک نہین پیش کرسکے ہین،

کرۂ ارض کی عمر سے متعلق علماء سائنس مین شروع سے اختلاف آرا چلا آرہا ہے لارڈ کلون، مشہور ماہر طبیعیات نے انیسوین صدی کے آخر مین اپنا یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ زمین کا وجود آفتاب سے بیشتر نہین ہوسکتا تھا، اور آفتاب کی عمر زیادہ سے زیادہ دو کرور سال کی ہے، لیکن عام سائنس دان حلقہ مین کلون کے اس نظریہ کو مقبولیت حاصل نہوسکی، علماء سائنس کے دو طبقات خصوصیت کے ساتھ کلون کی راے کے مخالف رہے ہین، ایک علماء حیوانیات (زوولوجسٹ) جنکے اصول کے لحاظ سے موجودہ حیوانات کے ارتقاء مین اسقدر عظیم الشان مدت صرف ہوئی ہے کہ ذہن بشری اسکے اندازہ سے عاجز ہے، دوسرے علماء ارضیات (جیالوجسٹ) جنکا قول ہے کہ ایک ایک چٹان کے موجودہ حالت تک پہنچنے کے لئے کرورون بلکہ اربون سال کی مدت درکار ہوئی ہے ہر دو طبقات بالا کے بیان کے مطابق آفرینش ارض کو اسقدر بعید زمانہ منقضی ہوچکا ہے کہ اسوقت انسانی دماغ اسکا کوئی تخمینہ نہین کرسکتا، چند ماہ ہوئے کارڈف مین برٹش ایسوسی ایشن کا جو سالانہ اجلاس ہوا تھا اسکے شعبۂ ریاضیات وطبعیات کے صدر نے اپنے خطبہ مین اس مسئلہ کا بھی ذکر کیا لیکن کوئی قطعی راے ظاہر نہین کی،

دنیا کے پہاڑون مین بلند ترین چوٹی کوہ ہمالیہ کے مونٹ ایورسٹ (گوری شنکر) کی

جسکی بلندی ۲۹۰۰۲ فٹ ہے، جسپر آج تک کسی ہستی کا گذر نہین ہوسکا ہے، علماء جغرافیہ سالہا سال سے اس چوٹی تک پہنچنے کی کوشش مین مصروف ہین، مگر ابتک کامیابی نہین ہوسکی ہے، حال مین لندن کے رایل جیوگرافیکل سوسائٹی نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ہوائی جہاز کی وساطت سے اس مہم کو سر کرنا چاہیئے، لیکن جو محققین کوہ نوردی کا عملی تجربہ رکھتے ہین وہ کہتے ہین کہ یہ جدید سعی بھی ناکام رہیگی، کیونکہ (انکے بقول) اصلی دشواری اتنی بلندی کی طے کرنیکی نہین بلکہ وہانتک پہنچکر کچھ دیر کے لئے بھی زندہ رہنے کی ہی، ایورسٹ کی سطح ایک بالکل خاص قسم کی ہے، وہان کی ہوا اسقدر لطیف ہے کہ اس فضا مین انسان تنفس جاری ہی نہین رکھ سکتا، پس اگرچہ یہ آسانی ممکن ہے کہ ہوائی جہاز کی مدد سے کوئی انسان وہان تک پہنچ جاے لیکن وہان پہنچکر سانس لینا کیونکر ممکن ہوگا؟ اس سے قبل جن محققین کی رسائی چوٹی کے قریب تک ہوئی ہے وہ اسی ضیق تنفس کے باعث فی الفور ہلاک ہوگئے ہین،

میجر ایٹ ہل نے جیوگرافیکل سوسائٹی کے سامنے اپنے تجربات ومشاہدات ابی سینیا (حبش) کے متعلق لکچر کے ضمن مین بیان کیا کہ انکے ایک رفیق میجر ڈارلے، جھیل رڈولف کے قریب پہنچکر شدید ہیضہ مین مبتلا ہوے، اتفاقاً عین اسی زمانہ مین انہین ایک بچھو نے کاٹا، اور معاً اسی وقت سے انہین صحت شروع ہوگئی، یہانتک کہ بالکل تندرست ہوگئے، بعض ڈاکٹر اس امر پر غور کر رہے ہین کہ کیا واقعی بچھو کے زہر مین ہیضہ کے دور کرنے کی خاصیت موجود ہے؟

ایک فرانسیسی انجینیر مسیو ماڈرڈ بیلن نے سالہا سال کی مشقت وعرق ریزی کے بعد ایک ایسی مشین ایجاد کی ہے جس سے اصوات کی طرح تصاویر بھی صدہا میل کے فاصلہ تک بذریعہ ٹیلیفون کے منتقل کیجا سکتی ہین، چنانچہ چند روز ہوے اسکا تجربہ بھی کیا گیا، بلجیم کے شہر انٹورپ مین چند پہلوان عورتین کوچ کرتی ہوئی جارہی تھین انکا فوٹو لیا گیا، اور فوراً ٹیلیفون کے ذریعہ سے دوسو میل کے فاصلہ پر پیرس مین منتقل کیا گیا، جہان وہ آٹھ منٹ کے عرصہ مین پہنچ گیا،

امریکہ و یورپ مین بلند ترین عمارتین لوہے کی بنائی جاتی ہین، اور امریکہ مین تو بست منزلہ وسی منزلہ فلک نما عمارتین عموماً آہنی چادرون کی ہوتی ہین، ایک سائنس دان نے حال مین یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ہر آہنی عمارت اپنا ایک مخصوص ساز ترنم، اپنا ایک مخصوص سُر رکھتی ہے، پس اگر اس عمارت مین اسی سُر مین مسلسل باجہ بجایا جاتا رہے تو کچھ عرصہ کے بعد وہ عمارت متزلزل ہونے لگیگی اور کچھ عرصہ کے بعد منہدم ہوجائیگی،

سنہ ۱۹۱۸ء کی بابت حکومت ہند کی جانب سے جو تعلیمی رپورٹ شایع ہوئی ہے، اُسکے اعداد و معلومات ذیل غالباً دلچسپی سے پڑھے جائینگے، سرکاری و خانگی مدارس کو ملاکر طلبہ کی مجموعی تعداد ۷۷۶۵۳۹۲ تھی جو سال پیوستہ سے بقدر ۹¼ فیصدی کے کم ہے، طلبہ کی تعداد مین نمایان کمی، بنگال و بہار کے صوبون مین رہی، بخلاف اسکے بمبئی، پنجاب و صوبہ سرحدی مین انکی تعداد مین اضافہ رہا، مصارفِ تعلیم مین ایک کرور سولہ لاکھ کا اضافہ ہوکر اُسکی میزان ۱۳ کرور تک پہنچی، آرٹ کالجون مین آٹھ کا اضافہ ہوکر انکی تعداد ۱۴۶ تک اور

انکی طلبہ کی تعداد مین ۲۸۹ کا اضافہ ہوکر ۵۰۷۳۰ تک پہنچی، مخصوص پیشون کے کالج بدستور ۶۳ رہے، مدارس ثانوی کی تعداد مین ۲۹۵ کا، اور اُنکے طلبہ کی تعداد مین ۱۳۵۴۷ کا اضافہ ہوا، اور اُنکی مجموعی تعداد علی الترتیب ۸۱۴۹ اور ۱۳۳۳۲۱۲ تک پہنچی، ابتدائی جدید مدارس ۲۳۹۶ کی تعداد مین قائم ہوئے، لیکن طلبہ کی تعداد مین صرف ۱۴۷۸ کا اضافہ ہوا، وہ بھی لڑکیون کے شمول سے ورنہ لڑکون کی تعداد تو خاصی گھٹی ہوئی رہی، اعلیٰ، اوسط وادنی التعلیم کو ملاکر مسلمان طلبہ کی تعداد مین ۲۱۲۴۳ کا اضافہ ہوا اور انکی میزان ۱۶۵۹۵۳۹ تک پہنچی، لیکن یہ اضافہ زیادہ تر محض ابتدائی مدارس کے طلبہ مین ہوا،

پروفیسر جادوناتھ سرکار نے کٹک کی ایک علمی مجلس کے سامنے پچھلے مہینہ ایک لکچر دیا، جسمین انہون نے بیان کیا کہ اُنہین پیرس کے نیشنل لائبریری سے ایک قدیم قلمی فارسی کتاب دستیاب ہوئی ہے، جس سے بنگال کے مشہور ہیرو پرتاب ادت کے انجام سے متعلق موجودہ تاریخی تحقیق کی بالکل تردید ہوتی ہے، موجودہ تاریخین یہ بتاتی ہین کہ پرتاب کو شہنشاہ اکبر کے نامور جنرل راجہ مان سنگھ نے ایک پنجرہ مین قید کردیا تھا اور اسی مین وہ مرگیا، لیکن یہ جدید کتاب جسکا مصنف ایک مسلمان ہے اور جسکا سنہ تصنیف سنہ ۱۶۲۵ء ہے اس بیان کی بالکل تردید کرتی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پرتاب، راجہ مان سنگھ کی وفات کے بعد مدت تک زندہ رہا بلکہ اسکی زندگی کا پتہ اسلام خان کے زمانہ صوبہ داری تک چلتا ہی جو جہانگیر کے عہد کا ایک گورنر تھا،

فرانس کے ایک ڈاکٹر، پروفیسر جین بینگرانے حال مین یہ دعوی پیش کیا ہے کہ لا
اکسریز کی مدد سے انسان کے اندرونی جذبات واحساسات، افتادمزاج ورنگ
طبیعت کا پورا پتہ چل سکتا ہے، اور ہونیوالے شوہر شادی سے قبل اسکی تحقیق کرسکتے ہین
کہ انکی منسوبہ مین غصہ وحسد، جلد بازی ودنائت، نیکی وفیاضی، ہمدردی ومحبت کے
عناصر کس تناسب کے ساتھ موجود ہین،

جنگ سے قبل فرانس کی ایک موٹر کمپنی نے یہ اشتہار شایع کیا تھا کہ جو شخص
ہوائی بائسکل ایجاد کریگا اسے دس ہزار فرانک کا انعام ملیگا، چنانچہ اس زمانہ مین
بیسیون اشخاص نے اسکی کوشش کی لیکن تجربہ کے وقت سب ناکام رہے بلکہ اکثر
مدعیان ایجاد کو ضربات شدیدہ پہنچین، چند ماہ ہوئے کہ یہ شوق از سرنو پیدا ہوا ہے
اور اب پھر متعدد کمپنیون نے انعامی اعلانات شایع کرائے ہین، اٹلی کے انعام کی تعداد
دس ہزار لیٹر ہے، فرانس کے انعام کی دس ہزار فرانک اور امریکہ کے انعام کی
ایک ہزار ڈالر، توقع ہے کہ ہوائی جہازون، طیارون کے پہلو بہ پہلو عنقریب ہوائی
بائسکلون کا بھی رواج ہو جائیگا،

جس طرح انجمن اقوام کچھ روز سے قائم ہوئی ہے، اسی طرز پر ایک بین الاقوامی انجمن
اخلاقی تعلیم وتربیت کے لئے یورپ مین بارہ تیرہ سال سے قائم ہے، اسکا پورا نام
انٹرنیشنل مارل ایجوکیشن کانگرس ہے، اسکا پہلا جلسہ لنڈن مین ۱۹۰۸ء مین منعقد ہوا،
دوسرا ۱۹۱۲ء مین بمقام ہیگ (ہالینڈ) اور تیسرا ۱۹۱۶ء مین پیرس مین ہونیوالا تھا،

مگر جنگ کے باعث ملتوی ہوگیا، انجمن مذکور اسوقت سے نیم مردہ تھی، ۱۹۱۹ء سے
اسمین دوبارہ آثار حیات پیدا ہوئے ہین، اور اب اسکا آیندہ اجلاس ۱۹۲۱ء مین
بمقام پیرس منعقد ہوگا، انجمن مذکور کا مقصد محض اخلاقی تعلیم کی ترویج واشاعت ہے،
اسے کسی مذہب وملت، قوم وملک سے تخصیص نہین، اسکے ارکان مین عیسائی
ویہودی، ہندو ومسلمان، دہریہ ولاادریہ، چینی وجاپانی، افریقی وایشیائی سب شامل
ہین، اسکی مجلس انتظامیہ کے تین ارکان ہندوستانی ہین، ایک سر دیوپرشاد سربھدکاری
(وایس چانسلر کلکتہ یونیورسٹی) دوسرے مسٹر کے، اننارجن، ایڈیٹر انڈین سوشل رفارمر
(بمبئی) اور تیسرے مسٹر عبد اللہ یوسف علی، ایم، اے، دیگر ارکان مجلس مین سر مائیکل
سیڈلر، سر فرانسس ینگ ہسبنڈ وغیرہ کے نام نظر آتے ہین، صدر مجلس سر فریڈرک
پولک، اور سکریٹری مسٹر اف، جی، گولڈ ہین جو ۱۹۱۳ء مین کئی ماہ تک ہندوستان مین
سیاحت کرچکے ہین، اور جنھون نے حال مین اہل ہند کے نام ایک اپیل شایع کیا ہے کہ
اس انجمن مین کثرت سے شریک ہون اور اسے اپنے مشورون سے مدد دین،

آثارِ علمیہ و ادبیہ

نامۂ غالب

بنام حضرت سید ابو محمد جلیل الدین حسین المشتہر شاہ فرزند علی زاہدی فردوسی منیری المتخلص بہ صوفی تلمیذ غالب مرحوم

مرزا غالب مرحوم کے اردو خط کا ایک ایک حرف قدر شناسان غالب کی آنکھون کا سرمہ ہے

مرزا مرحوم کے جو مجموعہاے خطوط شایع ہو چکے ہین، اُنکے علاوہ ملک مین ابھی اور بہت سی غیر مطبوعہ تحریرین اُنکے تلامذہ کے خاندان مین موجود ہین، منجملہ اسکے مجھے معلوم ہوا کہ شاہ آباد و گرہ کے ایک علمی خاندان مین بھی یہ قلمی نوادر موجود ہین اور وہ اسکے طبع کے اہتمام مین ہین، مین نے اُنسے خواہش کی تھی کہ وہ معارف مین چھاپنے کو چند خطوط عنایت کرین مگر ہمارے ملک مین اخفاے نوادر کی جو بیماری ہے، اس نے اجازت طبع نہ دی، ہم اپنے دوست مولوی حکیم محمد عثمان صاحب ندوی کے مشکور ہین کہ انکے ذریعہ سے یہ نامۂ غالب ہم تک پہنچ سکا،

حضرت شاہ فرزند علی رحمہ اللہ صوبہ بہار کے علما و صوفیاے متاخرین مین نمونۂ اولین تھے، ذوق ادب ان کا فطری وصف تھا، راحتِ روح سہل و روان مقفیٰ و مسجع و رنگین اُردو عبارت مین بطور افسانہ تصوف پر ایک بہترین تصنیف اُنسے یادگار ہے،

زبدۂ اولاد حضرتِ خیر الانام قبلہ و کعبۂ مجموعۂ اہل اسلام حضرت پیر و مرشد عالیمقام کی خدمت مین فقیر غالب کی بندگی قبول ہو، اپنے ابوالآباء کے بوڑھے غلام کو آپ نے اتنا کیون بڑہایا کہ وہ بیچارہ شرم سے پانی پانی ہوا جاتا ہے، کافی تھا اوراق اشعار کا بہیجدینا اور حک و اصلاح کی اجازت دینی، میری مدح آپکے غلامون کو موجب ننگ و عار اور میرے آباء

واجداد کو ذریعۂ عز و افتخار، حکم بجا لایا، دو ایک جگہ املا کی صورت بدل گئی، کہین مصرعہ کی جگہ مصرعہ لکھا گیا، بے غائلہ تکلف و تملق آپکا کلام معجز نظام ہے، لفظ عمدہ، ترکیب اچھی، معنی بلند، فقیر اپنا حال زار لکھتا ہے، اکہتر برس کی عمر، پاؤن سے اپاہج، کانون سے بہرا، دن رات پڑا رہتا ہون، دو سطرین لکھین بدن تھرایا، حرف سُوجھنے سے رہا، قوتین ساقط حواس مختل، غذا قلیل بلکہ اقل، ع

عمر بھر دیکھا کئے مرنے کی راہ
مرگئے پر دیکھئے دکھلائین کیا

ایام شباب مین کہ بحر طبع روانی پر تھا، جی مین آیا کہ غزوات صاحب ذوالفقار لکھنا چاہیئے حمد و نعت و منقبت و ساقی نامہ و معنی نامہ لکھا گیا، داستان طرازی کی توفیق نپائی، ناچار اُس آٹھ سو نو سو شعر کو چھپوا لیا، اغلاط برہان قاطع از روے انصاف نکالے، اور اسکا ایک رسالہ مرتب کیا، قاطع برہان اسکا اسم، اور درفش کاویانی اسکا علم، ان دونون رسالۂ نامطبوع کو ایک پارسل مین اور حضرت کے بھیجے اوراق بھی اسی پارسل مین اور یہ خط جداگانہ ڈاک مین بھجوا دیا اور توقع رکھتا ہون کہ اسکی رسید روز ورود یا اسکے دوسرے دن لکھی جائے،

ادبیات

افاداتِ اکبر

جس بات کو مفید سمجھتے ہو خود کرو — اوروں پہ اُسکا بار نہ اصرار سے دھرو

کافی ہی بس یہ وعظ کہ غیرت ضرور ہے — تقوی بہت ضرور ہے اللہ سے ڈرو

حالات مختلف ہین ذرا سوچ لو یہ بات — دشمن تو چاہتے ہین کہ آپس مین لڑ مرو

مجھے کیا خبر یہ ہے کیا اثر نہ وہ ہوش ہی نہ وہ جان ہے

فقط اک نظر ہے جہان پر نہ خیال ہے نہ زبان ہے

نہ دماغ صرف رہِ نظر، نہ دلیل باعثِ دردِ سر

وہی جوشِ لذتِ دید ہے نہ قیاس ہی نہ گمان ہے

نہ یہان حدون کا نشان کہین نہ محل حرف و بیان کہین

مرا عشق ہے ترا حسن ہے، مری آنکھ ہی تری شان ہے

———— ∴ ————

باب التقریظ والانتقاد

لباب المعارف العلمية

فی

مكتبة دار العلوم الاسلامية

ہم نے پہلے بھی لکھا ہے اور اب پھر کہتے ہین کہ پشاور کے دار العلوم اسلامیہ کی بنا ر و تاسیس کی غرض و غایت جو کچھ ہو مگر اسکے ذریعہ سے کم از کم اتنا ضمنی فائدہ ضرور پہنچا ہے کہ صوبۂ سرحدی مین علم و فن کا ایک مرکز قائم ہو گیا ہے، اور اب یہ مسلمانون کا کام ہے کہ اسکو صحیح مصرف مین صرف کرین،

دار العلوم پشاور کے مشرقی کتبخانہ کا ذکر معارف کے کسی گذشتہ سال کے پرچہ مین ہو چکا ہے یہ کتاب جسکا نام زیب عنوان ہے، اسی کتبخانہ کی فہرست ہے، جسکو جناب مولوی عبد الرحیم صاحب مولوی فاضل نے بکمال محنت و جانفشانی ترتیب دیا ہے،

کتبخانون کی فہرست نویسی آجکل کی علمی دنیا مین بڑا درجہ رکھتی ہے، مسلمانون مین اس قسم کی سب سے پہلی کتاب چوتھی صدی ہجری کے ایک بغدادی فاضل ابن ندیم نے لکھی، اور سو برس کے قریب زمانہ گذرا کہ یورپ مین چھپی، اور علماے یورپ نے اس سے قیمتی فوائد حاصل کئے اسکے بعد مسلمان قومون مین صرف ترکون کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ دعوی کرین کہ اس میدان مین کوئی سبقت انکے ہاتھ سے نہ رہا، مفتاح السعادة طاش کبری زادہ، مدینة العلوم ارنیقی، اور کشف الظنون حاجی چلپی خلیفہ، ترک علما کی اس فن مین بہترین تصنیفات ہین، خصوصاً

آخری کتاب اسلام کے علمی تصنیفات کا سب سے بڑا خرمن ہے، پہلی کتاب دائرۃ المعارف حیدرآباد مین اور آخری یورپ قسطنطنیہ اور مصر مین چھپ چکی ہے اور عام طور سے متداول ہے، یورپ مین شاید ہی کوئی چھوٹا بڑا کتبخانہ ایسا ہوگا جسکی فہرست نہ چھپ گئی ہو، خصوصاً برٹش میوزیم، اور فرینچ نیشنل لائبریری اور جرمنی کے سرکاری کتبخانہ کی فہرستین اہل علم کے لئے لازوال دولت ہین، پیرس مین بزبان فرینچ، ضخیم جلدون مین صرف ان عربی کتابون کی فہرست شایع ہوئی ہے جو یورپ مین چھپی ہین، ڈاکٹر ریو کی فہرست کتبخانہ برطانیہ یورپ مین بیحد مقبول ہے ان فہرستون مین کتابون کے نام انکی خاص خاص خصوصیات، نادر مضامین اور تاریخی و علمی فواید اور انکے مصنفین کے سوانح و حالات، قلمی کتابون کے نسخون کا ذکر، انکی اہمیت، حتی کہ انکی وضع قطع، خط، تقطیع، تعداد اوراق، صنف کاغذ ہر چیز کا ذکر بہ تفصیل ہوتا ہے، قسطنطنیہ کے متفرق عربی کتابو[illegible] کی مختصر فہرستین جنمین صرف کتاب اور مصنف کے نام جدولون مین لکھے ہین چھپ گئی ہین، ٹیونس کے ایک کتبخانہ کی فہرست ہمارے پیش نظر ہے، مشرق مین صرف مصر کے خدیوی کتبخانہ کی فہرست ایسی ہے جو جامع مکمل اور جدید اصول پر حاوی ہے، ہندوستان مین بنگال اور بمبئی ایشیاٹک سوسائیٹیون کی مشرقی کتبخانون کی فہرستین بھی ذکر کے قابل ہین کتبخانہ حیدرآباد کی فہرست محض کاغذی جدول ہے، جس سے اہل علم کو کوئی علمی فائدہ نہین پہنچ سکتا، اس سے صرف کتاب کا نام اور بشرط خوش قسمتی مصنف کا نام اور تاریخ طبع و کتابت کا پتہ چل سکتا ہے، رامپور کے کتبخانہ کی فہرست غیر مکمل ہونے کے ساتھ ناقص بھی ہے، صرف پٹنہ کا مشرقی کتبخانہ ایسا ہے، جسکی ایک قدیم فہرست محبوب الالباب کے نام سے ۱۳۱۴ھ مین مرحوم خدا بخش نے لکھکر چھپوائی تھی اور جدید اصول و مطالب پر وہ حاوی تھی، لیکن وہ صرف ساڑھے آٹھ سو کتابون پر مشتمل ہے، حالانکہ اس کتبخانہ مین اس سے بہت زیادہ کتابین تھین اور ہین، اور اب بڑھ گئی ہین، ندوۃ العلماء کے

کتبخانہ کی ترتیب و تنظیم اور نئے طریق سے اسکی فہرست کی تدوین کے لئے تقریباً تین سال سے کام ہو رہا ہے، اور ایک حد تک تحریری صورت مین وہ مکمل بھی ہو چکا ہے، لیکن ابھی حلیۂ طبع سے عاری ہے، ان حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے دار العلوم پشاور کے مشرقی کتبخانہ کی اپنی فہرست کی اشاعت مین پیشقدمی ارباب علم کے خاص شکریہ کی مستحق ہے،

ان فہرستون سے سب سے بڑا فائدہ مصنفین کی جماعتون کو پہنچتا ہے جو گھر بیٹھے ہوئے نہایت آسانی کے ساتھ تمام دنیا کے علمی خزانون کا جائزہ لے سکتا ہے، یورپ مین ایک مصنف اپنے کتبخانہ مین بیٹھکر یورپ کے دوسرے سرے کے کتبخانون کی ورق گردانی انکی فہرستون سے کرتا ہے، طبع و اشاعت کے لائق کتابون کا انتخاب ہر جگہ سے کرتا ہے، ایک کتبخانہ اپنے ناقص یا غلط نسخہ کی تکمیل یا تصحیح دوسرے کتبخانہ کے نسخہ سے کرتا ہے، طبع کے لئے ایک نسخہ کسی کتاب کا اسکو ہاتھ آجاتا ہے تو فہرستون کو دیکھکر وہ اسکے بیسیون نسخے دوسرے کتبخانون سے بہم پہنچا لیتا ہے ایک فن کی کتابون کو جو دنیا مین کہین بھی موجود ہین اکٹھی کر لیتا ہے، یا کسی ایک مصنف کی تمام نادر تصنیفات کو جو دنیا کے مختلف گوشون مین پھیلی ہوئی ہین، فہرستون کی تھوڑی سی ورق گردانی سے معلوم کرتا ہے، ہمارا یہ حال ہے کہ ہم اعظم گڈھ مین بیٹھے کوئی کتاب ڈھونڈ رہے ہین اور ہمکو نہین معلوم کہ ہمارے ہمسایہ ہی مین جونپور، بنارس یا لکھنؤ مین وہ کتاب موجود ہے، غرض ان فہرستون کی اشاعت، اشاعت علم اور تسہیل مقصد کے لئے بیحد ضروری اور بنہایت مفید ہین،

زیر نظر فہرست، دار العلوم پشاور کے مشرقی کتبخانہ کی عربی، فارسی اور اردو تصنیفات اور مصنفین کے اسماء اور حالات کا مجموعہ ہے، مصنف نے ہر صفحہ مین چار جدولین قائم کی ہین، عدد مسلسل[۱]، نام و کیفیت عمومیہ کتاب، نام و احوال[۳] مصنف، کیفیت[۴] خصوصیہ، فہرست کی ترتیب علوم پر رکھی ہے، یعنی تفسیر حدیث، فقہ وغیرہ، آخر مین چند ضمیمے ہین، ضمیمۂ اول مین خاص اردو کتابون کی فہرست ہے

جسمین بہ ترتیب ہجی اردو کتابون کے نام دیدیے ہین، ضمیمۂ دوم مین تمام مصنفین کے صرف نام اور انکی تصنیفات کا کتاب مین نمبر بتایا ہے، تیسرے ضمیمہ مین کتب مندرجۂ فہرست کی یکجائی بہ ترتیب ہجی فہرست ہے، چوتھے ضمیمہ مین مولوی عبدالعزیز صاحب ندوی راجکوٹی پروفیسر اڈرونڈمشن کالج پشاور نے فہرست مذکور پر نظر ثانی کر کے کچھ مزید امور وحالات مصنفین اضافہ کئے ہین، ضمیمۂ پنجم مین نئی کتابون کا جو اثناے تدوین مین آیئن مختصر ذکر ہے، ہر علم کی فہرست شروع ہونے سے پہلے اس علم کی مختصر تاریخ بھی لکھی گئی ہے،

سب سے پہلے ہمکو اس فہرست کو جدولون پر منقسم کرنا ناپسند آیا، بہتر ہوتا اگر یورپ اور مصر کی فہرستون کے طریق پر سہل عبارت کی صورت مین یہ لکھی جاتی، اس سے کتابت کے حسن اور کاغذ کی کفایت مین بھی فائدہ ہوتا، علوم وفنون کی تمہیدی تاریخین ناتسلی بخش اور محتاج تبصرہ ہین، صرف ان مصنفین کے حالات لکھی ہین تو تاریخ بن چکے ہیں وہ مصنفین جنکے حالات متقدمین نے کتابون مین نہین لکھے یا جسکو ہم سے جدا ہوے کچھ ہی عرصہ گذرا ہی انکے حالات سادہ ہین، حالانکہ اسکی تکمیل کچھ مشکل نہ تھی، معروف ومتداول مصنفین اور تصنیفات کے حالات زیادہ اور مخصوص اور کم معلوم لوگون اور کتابون کے کم، حالانکہ مقتضی اسکا الٹا تھا، علماے کبار کو صیغۂ تعظیم "مولانا" اور "علامہ" لکھکر پھر صیغۂ واحد اور ضمیر واحد سے ذکر کرنا ہم صحیح نہین سمجھتے، کتاب کے آخر مین مصر کی عربی دائرۃ المعارف کی مسلمانان مصر کی طرف نسبت غیر صحیح ہے، وہ عیسائیون کے برکات علمی مین شامل ہے، سلیمان لبنانی بیروت کا ایک عیسائی فاضل ہے،

بااین ہمہ ہم اس فہرست کا تہ دل سے خیر مقدم اور اسلامی کتبخانون کے براہِ ترقی ایک قدم اور بڑھنے پر ارکان کتبخانہ مشرقی دارالعلوم پشاور کو مبارکباد دیتے ہین، اس فہرست کے مدون جناب مولوی عبدالرحیم صاحب پنجاب کے فضلاے علم مین ہین، انکے رشحات فکر سے ہم اور بہت سی توقعات قائم کر سکتے ہین،

فہرست مذکور مین کل دو ہزار اٹھائیس کتابون کا تذکرہ ہے، اہل علم جو مصنفات اور مصنفین اور نوادر کتب کا ذوق رکھتے ہین ہمکو یقین ہے کہ یہ کتاب انکو پسند آئیگی: قیمت عہ،

مطبوعات جدیدہ

غزلیات نظیری، نظیری نیشاپوری، ان شعراے باکمال مین ہے جسکے ایک ایک شعر پر اہل معنی سر دھنتے ہین، خوش قسمتی سے پنجاب یونیورسٹی نے اسکی غزلیات کے حصہ کو ایم اے اور منشی فاضل کے کورس مین داخل کیا ہے، اس تقریب سے یہ نوبت آئی کہ نظیری کے غزلیات کا مجموعہ شیخ مبارک علی صاحب تاجر کتب لاہوری دروازہ لاہور نے شائع کرایا ہے، مجموعۂ مذکور ولایتی سفید کاغذ پر صاف خط مین اچھا چھاپا گیا ہے، ۲۷۵ صفحون مین یہ مجموعۂ غزلیات تمام ہوا ہے، قیمت عہ، تاجر موصوف سے ملیگی،

چترا، رابندرا ناتھ ٹیگور کے ایک افسانہ کا جناب عبدالمجید خان سالک بٹالوی نے اردو مین ترجمہ کیا ہے، ترجمہ روان اور صاف ہے، چھوٹی تقطیع کے ۷۹ صفحون پر دارالاشاعت پنجاب لاہور نے اسکو شائع کیا ہے، اور سلسلۂ کہکشان کا یہ دوسرا نمبر ہے، قیمت ۱۲/،

خیر الکلام، جناب منشی فاضل ابوالخیر محمد خیر اللہ صاحب (ورنگل، دکن) نے اس نام سے مفید ونافع احادیث مبارکہ کا مجموعہ تیار کیا ہے، سامنے کی دوسری جدول مین ان کا بامحاورہ اردو ترجمہ کیا ہے، کل احادیث ۵۰۰ ہین، انکو بہ ترتیب ہجی جمع کیا ہے، یہ اچھا کیا ہے کہ ہر حدیث کے آخر مین ماخذ کا حوالہ دیدیا ہے، ۷۶ صفحات، طبع عمدہ قیمت معلوم نہین مترجم موصوف کے پتہ سے ملیگی،

فاطمی دعوت اسلام، جناب خواجہ حسن نظامی صاحب چند سالون سے تاریخ اسلام کے اس شعبہ پر کتب ورسائل کا ایک بڑا ذخیرہ ہماری زبان مین فراہم کر رہے ہین، ہم نہین جانتے کہ

انکی ان تصانیف کا مقصد کیا ہے، مگر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام تیرون کا ایک نہ ایک ہدف ہے، باوجود اس نیاز محبت کے جو ہمارے انکے درمیان ہے، ان مباحث پر ہمارے انکے راے کا اختلاف ناظرین سے مخفی نہین،

اس کتاب مین خواجہ صاحب نے سادات بنی فاطمہ اور مدعیان سیادت فاطمی کی اُن کوششون کو جمع کیا ہے جو اپنے مذہب کی تبلیغ واشاعت مین اُن سے ظہور مین آئین ہم نے سادات بنی فاطمہ اور مدعیان سیادت فاطمی کے دو لفظ استعمال کئے ہین اور انکے لئے اپنی مذہب کی تبلیغ واشاعت کا ذکر کیا ہے، اس سے مقصود یہ ہے کہ سادات بنی فاطمہ نے اپنے آبائی مذہب (اسلام) کی تبلیغ کی، اور مدعیان سیادت فاطمی نے اپنے آبائی مذہب کی یعنی ایران مین مجوسیت کی آمیزش کے ساتھ اور ہندوستان مین ہندویت کی ترکیب واختلاط کے ساتھ اچھا ہوتا اگر خواجہ صاحب حق و باطل کے ان دونون حدود کو الگ الگ رکھتے، آخر مین دکن کے بہت سے مسلمان فقراء کے فرقون کا دلچسپ بیان اضافہ کیا ہے، ہمارا خیال ہے کہ دکن کی سرزمین جسمین گجرات، کاٹھیاوار، مہاراشٹر اور دکن خاص کے تمام ممالک داخل ہین، مذاہب عالم کا ایک زندہ نمائشگاہ ہے، ملل ونحل کی کتابون مین جن فرقون کا نام ہم سنتے ہین، اور انکو عدم واقفیت سے ہم مفقود سمجھتے ہین، کسی نہ کسی نام کے ساتھ ہم انکو وہان ضرور پائینگے،

بہرحال خواجہ صاحب کے لٹریچر کے قدردانون کے لئے یہ ایک نیا سلسلہ بھی دلچسپی کا باعث ہوگا، ضخامت ۲۰۰ صفحات، قیمت (۳) خواجہ بک ڈپو دہلی،

مجلد ششم | ماہ ربیع الثانی ۱۳۳۹ھ مطابق دسمبر ۱۹۲۰ء | عدد ششم

مضامین

مطبوعات جدیدہ